انقلاب ۱۸۵۷ء

تصویر کا دُوسرا رُخ

شیخ حسام الدین

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

انقلاب ۱۸۵۷ء

تصویر کا دُوسرا رُخ

ترجمہ

شیخ حسام الدین

مقدمہ

مولانا عبدالرحیم خاں پوپل زئی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دلّی

بہ اشتراک

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

Inquilab-1857

by

Shaikh Hussamuddin

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : 2006

پہلا ایڈیشن : 1100

قیمت : -/80 روپے

سلسلۂ مطبوعات : 1251

ISBN : 81-7587-137-7

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducoun@ndf.vsnl.net.in، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: فہمی کمپیوٹرس، جامع مسجد دہلی- 110006

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ترتیب

پیش لفظ		v
دیباچہ		1
مقدمہ	عبدالرحیم خاں پوپل زئی	5
	تصنیف کی غرض وغایت	8
	انقلاب کے اسباب	9
	واقعات کی تحقیق	11
	ناکامی کے اسباب	14
پہلا باب		19
باب دوم	غدر کے اثرات	89
باب سوم	خاتمہ یا نتیجہ	131

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اردو زبان وادب کی ترقی کے لیے اس نے مختلف اقدام کیے ہیں جن میں کمپیوٹر اپلیکیشن، ملٹی لنگول ڈی۔ٹی۔پی، کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن اور اردو رسم الخط میں سرٹیفکیٹ کورس شامل ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعے اردو زبان کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اردو تعلیم کے منظرنامے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کوشش کو بڑی حد تک کامیابی بھی ملی ہے۔

قومی اردو کونسل کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابوں کی طباعت اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اس لیے اردو زبان کا وہ کلاسیکی سرمایہ جو دھیرے دھیرے نایاب ہوتا جا رہا ہے، قومی اردو کونسل نے اس کو مکرر اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ کے کارہائے نمایاں میں سے ایک اہم کام ان اردو کتابوں کی ترتیب وتہذیب اور ان کی اشاعت ہے جن کا شمار اردو کے کلاسیکی سرمائے میں ہوتا ہے۔ ان کتب کی اردو شائقین کے حلقوں میں جس قدر پذیرائی ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لیے اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ کی تمام مطبوعات کو ان کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر قومی اردو کونسل ایک مشترکہ معاہدے کے تحت از سر نو شائع کرے گی۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انہیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

ڈائرکٹر انچارج

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پیش لفظ

اتر پردیش اردو اکادمی نے جو چند نئے منصوبے مرتب کیے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل منصوبہ ہے ''اردو میں جنگ آزادی کے لٹریچر کی تدوین اور اس کی اشاعت''۔ یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ ہے جس کی ابتدا اسی مالی سال سے ہو رہی ہے۔ اس کے لیے سالِ رواں کے بجٹ میں خاصی رقم بھی مختص کر دی گئی ہے۔

جنگِ آزادی کے مختلف مظاہر رہے ہیں۔ غیر ملکی اقتدار سے براہِ راست ٹکرا جانا اور اس کی بیخ کنی کرنا تو اس جنگ کی آخری منزل تھی، لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہمارے ملک نے مختلف حربے استعمال کیے۔ قومی نظمیں اور مقالے لکھنا، دلوں کو حبِّ وطن کے جذبے سے سرشار کرنا، اونچ نیچ کا فرق مٹانا اور ایک آزاد فلاحی ریاست کے قیام کے لیے تدابیر اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ جنگ آزادی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان موضوعات پر اردو میں کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے اتنا زیادہ اور قابلِ فخر لٹریچر ہے کہ اس کی فراہمی، انتخاب اور اشاعت کا سلسلہ ایک طویل مدّت تک جاری رہے گا۔

جنگ آزادی کے سیاق و سباق میں لٹریچر یا ادب کا لفظ بڑی وسعت اور عمومیت کا حامل ہے۔ اس زمرے میں صرف حالی، شبلی، سرور، چکبست، اقبال، محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کی تخلیقات نہیں آتیں، بلکہ اس میں وہ منظومات، مقالات اور خطبات بھی شامل ہیں جو از روے اصطلاح ادب زیادہ معیاری نہ ہوں، مگر اُن سے دلوں کو حرارت اور ذہنوں کو ایک آزاد فضا میں غور و فکر کی صلاحیت ملی تھی۔ ضروری نہیں کہ رجز یا حدی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

شاعری کی متداول اصطلاحات و مقتضیات کو محیط ہو۔ اگر اس نے میدانِ جنگ میں مقتضائے حال کے مطابق دست و بازو کو ایک نئی قوت عطا کر دی، تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔ اردو میں اس طرح کے رجز اور حدی کو اگر فراہم کیا جائے، تو اس کے صفحات کا تعین دشوار ہو جائے گا۔ مواد کی فراہمی کا کام بے حد مشکل ہے مگر اردو اکادمی اس سمت چل پڑی ہے اور محبانِ اردو کے تعاون سے وہ اس منزل کو کبھی نہ کبھی ضرور سر کر لے گی۔

1857ء ہماری جنگ آزادی کا انتہائی وقیع اور جرأت آزما نقطۂ آغاز ہے۔ اس جنگ کے تقدس کو طرح طرح سے داغ دار کیا گیا، مگر حقیقت ہمیشہ پس پردہ نہیں رہ سکتی۔ مغرب کے ایک اہلِ قلم ایڈورڈ ٹامسن نے "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا اردو میں نامکمل ترجمہ ''غدر 1857ء اور تصویر کا دوسرا رُخ'' دو قسطوں میں ''الہلال'' کے 2 ستمبر 1927ء اور 9 ستمبر 1927ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ پہلی قسط کے آغاز میں الہلال نے ایک نوٹ لکھا تھا، جس کے اہم اقتباسات یہ ہیں:

''حال میں ایک کتاب امریکہ سے شائع ہوئی ہے جس کا نام "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" یعنی ''تصویر کا دوسرا رُخ'' اور اس کا مصنف ایک مشہور اہل قلم ایڈورڈ ٹامسن ہے۔ اُس نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ ''غدر 1857ء'' کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے رعب و ہیبت کے مظاہرہ کے لیے جو خوں ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے یکجا کر دیے جائیں اور اس ہندستانی غدر کو ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آ جائے''۔

''.....لیکن تصویر کے دوسرے رخ کی شہادت کیا ہے؟ اور یہ اخلاق و انسانیت کا مرقع ہے یا وحشت و ہولنا کی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہے یا زیادہ۔ دنیا کے ان حکمراں اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقع پر اپنی اخلاقی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

یرت و کیریکٹر کے مظاہرے کا موقع ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اس نے خود ہندستانیوں سے فتح یاب ہو کر ہندستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتل عام کیا اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب اور یک قلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دی گئی، تاریخ کو اس کے لیے کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ سوالات ہیں جو غدر 1857ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اس وقت تک مورخانہ تحقیق و نظر کی روشنی اس گوشے پر نہیں پڑ سکی۔

..... کوشش کی گئی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کیے جائیں۔ مصنف کے لیے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اکثر کے ماس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعۂ علم نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرف دار نہیں کہے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادات کا جس قدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اس سے بحیثیت مجموعی تصویر کا دوسرا رُخ نمایاں ہو جاتا ہے.....

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اردو میں مرتب کر دیں۔"

جب الہلال میں اس کی مزید قسطیں شائع نہیں ہوئیں تو جناب شیخ حسام الدین نے اس کتاب کا اردو میں آزاد ترجمہ کیا اور پھر اسے 1931ء میں "انقلاب 1857ء کی تصویر کا دوسرا رُخ" کے نام سے شائع کیا۔ اس ترجمے پر جناب مولانا عبدالرحیم خاں پوپل زئی نے جو مقدمہ لکھا تھا، وہ ہندستان کے جذبۂ آزادی کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ اسی کتاب کے عکس کی اشاعت سے اتر پردیش اردو اکادمی اردو میں جنگ آزادی کے لٹریچر کا سلسلہ شروع کر رہی ہے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی قبولِ عام حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
15/اگست 1982ء

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

دیباچہ

ستمبر 1927ء کے الہلال میں اس کتاب کے بعض نامکمل اقتباسات شائع ہونے شروع ہوئے تھے، جس کے مطالعہ سے اس کتاب کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن افسوس کہ ایک کافی عرصہ کے انتظار کے باوجود مایوس ہونا پڑا۔ اِس اثناء میں اتفاق سے فرصت کا وہ عدیم النظیر زمانہ جسے عام طور پر اسیری کا زمانہ کہا جاتا ہے، جب اِس دفعہ پھر نصیب ہوا، تو جہاں دہلی، سرحد اور پنجاب کے برگزیدہ اور ممتاز بزرگوں سے نیاز حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں یہ دیرینہ آرزو بھی پوری ہوئی اور اصل کتاب کا مطالعہ کیا۔ لیکن جب الہلال کے اقتباسات سے مقابلہ کیا تو وہ بالکل نامکمل اور غیر مربوط صورت میں نظر آئے۔ اس کے ساتھ ہی احباب کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کتاب کی صورت میں ازسرِنو ہونا چاہیے۔ چنانچہ مجھے اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ بلحاظِ زبان اور ادب کے یہ کتاب اردو لٹریچر میں کوئی قابلِ قدر اضافہ ہوگی، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اِس قسم کے مضامین کی اردو میں منتقل کرنے کی اشد ضرورت ہے اور یہی وجہ میری اِس جسارت کی محرک ہوئی۔ ورنہ جہاں تک زبان و ادب کا تعلق ہے اپنے آپ کو کسی معنی میں بھی اِس کا اہل نہیں سمجھتا کہ اِس کٹھن وادی میں قدم رکھ سکوں۔ بہرحال مملک کے لیے ایک نہایت ہی مفید اور ضروری چیز سمجھ کر اپنے پریشان الفاظ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر ناظرین نے اس کے مطالب سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اپنی گری ہوئی حالت کے بدلنے کے لیے کوئی حرکت کی تو میں سمجھوں گا کہ میرا مطلب پورا ہوگیا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

جہاں تک اِس کتاب کی ترتیب کا تعلق ہے میں نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ مصنف کی غرض اور کتاب کے مطالب کو پوری طرح ادا کروں۔ البتہ میں نے اتنی تبدیلی ضرور کی ہے کہ کتاب کے پہلے باب میں سے صرف ایسے امور کو لے لیا ہے جن کا اصل مضمون کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا اور ان کو کتاب کے پہلے باب میں دو حصّوں میں لکھ دیا ہے۔ مگر باقی باب میں چونکہ اُنہی فرسودہ مضامین کا اعادہ تھا جن کی رُو سے عام طور پر ہندستان میں انگریزوں کی موجودگی کی ضرورت خود ہندستان کے مفاد کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے، یعنی فرقہ وارانہ مناقشات، یا سرحد و نیپال کے حملوں کا بھوت وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ ان تمام مسائل پر مختلف اوقات میں پریس اور پلیٹ فارم سے متعدد دفعہ غیر مبہم اور صاف الفاظ میں جواب دے دیا گیا ہے۔ اس لیے میں نے اس تمام حصے کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے، لیکن باقی کے تینوں حصّوں کو اصل ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جہاں تک کتاب کے مضامین اور منصف کی رائے کا تعلق ہے، میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرے محترم دوست مولانا عبدالرحیم خان پوپل زئی پشاوری نے نہایت وضاحت اور بلاغت سے مقدمہ میں کتاب کے مضامین پر کافی روشنی ڈالی ہے جو حقیقت میں اِس کتاب کا زیور ہے۔ میں قارئین سے استدعا کروں گا کہ وہ مقدمہ کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھیں۔ جس کے بعد وہ کتاب کے مطالعہ سے قرار واقعی فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ میں مولانا موصوف کا بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے نہ صرف مقدمہ لکھ کر کتاب کی حیثیت میں چار چاند لگا دیے ہیں، بلکہ کتاب کی ترتیب اور زبان کی درستی میں بھی مسلسل وقت دے کر قابلِ قدر مشوروں سے سرفراز فرماتے رہے۔ یہاں پر یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ متذکرہ صدر صحبتوں میں میرے دوست پنڈت شودت رنگا ملتانی اور برادرم حکیم محمد سکندر خضر امرتسری بھی برابر شریک رہے اور وقتاً فوقتاً مفید تجاویز سے مشکور فرماتے رہے۔

میں یقیناً ناشکر گزار ہوں گا اگر یہاں پر اپنے محترم بزرگ عالی جناب ڈاکٹر مختار احمد

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

صاحب انصاری مدظلہ العالی کی شفقت اور بندہ پروری کا شکریہ ادا نہ کروں بالخصوص اس لیے بھی کہ انھوں نے کتاب کا مسودہ کو پڑھ کر میری بے حد حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کی طباعت کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ انہی حضرات کی عنایت کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔

آخر میں قارئین سے بہر حال درخواست کروں گا کہ وہ زبان اور ادب کی خامیوں کو نظر انداز کر کے کتاب کے مضامین کی طرف توجہ دیں۔

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

حسام الدین (شیخ)
امرت سری
اسپیشل جیل۔ گجرات

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

مقدمہ

ازمولانا عبدالرحیم خان پوپل زئی، پشاور

تاریخ ہند کا وہ ناتمام صفحہ جو 1857ء کے سرخ مگر ناکام انقلاب سے رنگین ہو چکا ہے اور درسِ عبرت کا ایک سبق آموز باب ہمارے سامنے پیش کر چکا ہے، اپنی تاریخی اہمیت کے باوجود آج تک دنیا کی حقیقت بیں نظروں سے اوجھل رہا۔ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی فلسفے کا دقیق مسئلہ نہیں کہ جس کی موشگافی کے لیے اصولِ موضوعہ کی تمہید، مقدمات کی ترتیب، دلائل و قیاسات کی تقریب اور نتائج کی تصحیح کے لیے غور و خوض کی ضرورت پڑے۔ کیونکہ مشاہدات کے متعلق تیقن اور اطمینان حاصل کرنے کی بنیاد مشاہدہ ہی پر ہوتی ہے اور مشاہدہ کے لیے عینی شاہد کی ضرورت ہے، فلسفی دلائل و قیاسات یہاں کیا کام آ سکتے ہیں۔

تاریخ دراصل چند واقعات کی صحیح تعبیر و بیان کا نام ہے، جو مشاہدہ یا دیگر محسوسات کی کسی صورت میں وقوع پذیر ہو چکے ہوں۔ مثلاً ہم یہ کہنا چاہیں کہ آئرلینڈ میں انگریزوں کے مظالم واقعی ہیں یا محض مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ تو اس کے لیے واقعات کا مشاہدہ یا مستند اور عینی شہادتوں کا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ صرف قیاس سے کوئی رائے قائم کر لینا صحیح نہ ہوگا۔

ہاں اس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ مؤرخ دیانت عمل، صحیح روایت، وسعتِ نظر، سلامتی طبع اور اصابت رائے سے بے بہرہ نہ ہو۔ واقعات میں قیاس و رائے کو دخل نہ دے اور جب کسی واقعہ کے متعلق روایات حاصل کرے تو اُن میں اصل واقعہ اور رائے کی آمیزش کو الگ الگ رکھ کر غور کرے۔ کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر مسخ شدہ شکل میں پیش کرنا اس کی اصلی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

وضع و ترتیب کو اُلٹ پلٹ کر دینا، صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایت پر اعتبار کر لینا، واقعات کے تمام پہلوؤں پر غور نہ کرنا، مبالغہ آمیزی سے کام لے کر کسی ناپسندیدہ امر کو پست اور پسندیدہ کو بلند کر دکھانا ایک مؤرخ نما عیار کی مخفی خواہشات کی صحیح ترجمانی تو کر سکتا ہے لیکن تاریخی ذمہ داریوں سے اُسی قدر دور ہے جس قدر کہ تاریکی روشنی سے اور باطل حق سے۔

تاریخ خواہ وہ یورپ میں لکھی گئی ہو یا ایشیا میں، انگلستان کے ٹکسال سے نکلی ہو یا ہندستان کے مطابع سے، اُس وقت تک اعتماد و وثوق کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ مذکورہ بالا خصوصیات پر مشتمل نہ ہو۔ واقعات کی فرضی و بناوٹی تصویریں جن کا کوئی رُخ بھی مصوّر کی خود غرضانہ دست درازیوں سے بچ نہ سکا ہو، علم التاریخ کے دامن پر ایک سیاہ داغ سے کم حیثیت نہیں رکھتیں۔ یورپ کا موجودہ فن تاریخ اگرچہ کسی معقول اصول کا مرہونِ منت نہیں اور نہ ہی اس میں اصابتِ رائے کی پابندی لازمی سمجھی گئی ہے، وہ قاعدہ و ضابطہ کی قیود سے اُسی قدر آزاد ہے جس قدر کہ خود کوئی قاعدہ اور ضابطہ ہو سکتا ہے۔ تحقیق و تنقید کا اسی حد تک دلدادہ ہے جس حد تک کہ آگ پانی کی اور تاریکی روشنی کی۔ لیکن اس کی مشینری ایسے پُرزوں سے بنی ہے کہ جن کی چال ڈھال، وضع و ہیئت اگرچہ بہت سی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے مگر یہ دلکش منظر کچھ عرصے کے بعد ایک سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ان چند تمہیدی ارشادات کے بعد ناظرین جب انقلاب 1857ء کی انگریزی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ واقعات کہ جن کی تہ نہ تو اتنی گہری ہے کہ اس تک رسائی ناممکن ہو اور نہ ہی سطح ایسی ناہموار کہ اس پر کوئی رائے قائم نہ کی جا سکے۔ محض مصنفین کی خود غرضانہ عیاریوں کے سبب سے ایسے الجھاؤ سے پیش کیے گئے ہیں کہ جن سے حقیقت کی اصلی تصویر مخفی رہ جاتی ہے۔

ایک سو سے زائد انگریزوں نے اِس دردبھری داستان کو افسانوں، ناولوں اور تاریخی پیرایوں میں جس مکاری سے پیش کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اُن کی گری ہوئی ذہنیت کا مظاہرہ کرتی ہے بلکہ فنِ تاریخ کے دامن پر ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رویّہ سے مقصود یہ تھا کہ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

انگریز دنیا میں حق پرست، منصف مزاج، بُردبار، شریف الطبع، جوانمرد، فیاض، وفادار اور اولوالعزم ثابت ہوں اور ہندستانی جاہل، وحشی، شیطان سیرت، ناتربیت یافتہ، غدّار اور باغی ظاہر ہوں تاکہ اُن کے دُکھی دل کی پُکار کوئی نہ سنے، نہ ہی ان کی باتوں پر اعتبار کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار کرے۔ اُن کے اوپر جس قسم کا جبر وتشدّد کیا جائے اس کی کوئی شنوائی نہ ہو اور انگریز قوم بے فکر ہوکر ان پر حکومت کرے۔ اپنا رعب داب، عظمت و وقار قائم رکھے اور من مانی باتیں اُن سے منوائے، ہندستان میں غلامی کی جڑیں مضبوط ہوں اور ہندستانیوں کی دلی تمنائیں سب خاک میں مل جائیں، اُن کے جذباتِ آزادی سرد پڑ جائیں۔ لیکن انگریز قوم کے اس پروپگنڈے نے جہاں یہ کیا کہ ہندستان میں انگریزی راج نہ صرف قائم ہی رہا بلکہ اس کی عمر ستّر (70) سال اور دراز ہوگئی اور ابھی معلوم نہیں کہ اور کتنا عرصہ تک رہے گی۔ وہاں اس نے ہندستانیوں کے دلوں میں منافرت وحقارت کے جذبات کو اور بڑھادیا، حریت اور آزادی کے ولولوں کو اور زیادہ تیز کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستان کی سرزمین پر جنگِ آزادی کا ایک ہولناک اور تباہ کن طوفان پھر سے اٹھتا ہوا نظر آنے لگا۔ جس سے زمانہ نے ایک مہیب انقلاب کی طرح ڈال دی اور تاریخ ہند کے ناتمام صفحہ پر اتمام وتکمیل کا ضمیمہ شروع کردیا۔

مسٹر ایڈورڈ ٹامسن نے اِسی خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انقلاب 1857ء پر ایک کتاب "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ" کے نام سے لکھی۔ جس کے ذریعے سے اس نے یہ کوشش کی ہے کہ ہندستانیوں اور انگریزوں کی باہمی منافرت دُور ہوجائے اور انگریزی حکومت اور ہندستانیوں میں مفاہمت اور دوستی واعتماد کے روابط اچھی طرح قائم ہوجائیں تاکہ آزادی کے خطرات کا سدِّ باب بوجہ احسن ہوجائے۔

اس کتاب کے بعض اہم اقتباسات کا اردو ترجمہ 1927ء میں الہلال کے دو نمبروں میں شائع ہوا اور اسی کی تمہید میں مکمل ترجمے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ مگر تین سال کے یاس انگیز انتظار نے شائقینِ تاریخ کا پیمانۂ صبر لبریز کردیا۔ آخر انھوں نے محترم بندہ شیخ حسام الدین صاحب میونسپل

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کمشنر امرتسر کو مجبور کیا کہ وہ عام فہم اردو ترجمہ کر کے تاریخ و ادب کی ایک ضروری خدمت کو سرانجام دیں۔

شیخ صاحب کا ترجمہ اس وقت میرے سامنے ہے اور اسی کے لحاظ سے میں کتاب کے مضامین پر مختصر روشنی ڈالوں گا۔ ترجمہ میں الفاظ کی ترتیب، تراکیب کی بندش اور عبارات کی تہذیب جس خوش اسلوبی اور خوش بیانی کے ساتھ مقاصد کتاب اور مرادِ مصنف کو واضح کرتی ہے، وہ قابلِ قدر ہیں۔ بالخصوص بعض شاندار مگر مانوس الفاظ کی حسب موقع ترتیب اور دلکش تراکیب کی تشکیل، نہ صرف شیخ صاحب کی جودتِ طبع کی شہادت دیتی ہیں بلکہ ترجمہ کی خوبیوں کو بھی دوبالا کر دیتی ہیں۔

ناظرین جب تاریخی معیار سے مضامین کتاب پر نظر ڈالنا چاہیں تو ان کو یہ غور کرنا چاہیے کہ مفصلہ ذیل امور کے متعلق کہاں تک روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ یہی چند امور مصنف کی قابلِ قدر تحقیق اور کتاب کی تاریخی حیثیت پر کافی طور سے روشنی ڈال سکتے ہیں۔ (1) تصنیف کی غرض وغایت (2) انقلاب کے اسباب (3) واقعات کی تحقیق (4) ناکامی کے اسباب واثرات (5) پروپگنڈا کی تفصیل اور اس کے اثرات۔

[1] تصنیف کی غرض وغایت

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اُس وقت مصنف کی دُوربین نگاہوں کے سامنے ہندستان کے اندر انقلاب کے اُٹھتے ہوئے طوفان نمودار ہو چکے ہیں۔ بحرالکاہل کی پُرسکون سطح میں ایک ہولناک تلاطم پیدا ہوگیا ہے اور فلپزم و اسود کی زخار موجیں اُٹھ اُٹھ کر انگریزوں کی پریشان حالی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اِس لیے وقت آگیا ہے کہ جلد از جلد اپنی قوم کو اس خطرہ سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ حکومت تحکم و استبداد کی پالیسی کو چھوڑ کر نام نہاد اصلاحات کی اسکیموں سے ہندستان کے اُبھرتے ہوئے جذبات کی آگ کو فرو کر دے۔ جس سے کہ مفاہمت کی بہترین

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

صورت پیدا ہوجائے۔ کیونکہ مصنف کے نقطۂ نگاہ میں فریقین کے درمیان منافرت اور بے اطمینانی محض اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ انگریزوں نے انقلاب 1857ء میں نہ صرف ہندستانیوں پر وحشیانہ مظالم روا رکھے بلکہ اصلیت کے اخفا کے ساتھ ساتھ ان کے برخلاف نہایت مکروہ غلط بیانی سے آج تک کام لیا۔ چنانچہ ذیل کا اقتباس مصنف کی اس غرض کو کافی طور پر واضح کرتا ہے۔

(1) ''اگر ہم نے اس معاملے میں نیک نیتی سے قدم اٹھایا تو ہم اس سرچشمہ تک پہنچنے میں جو کہ ہمارے خلاف نفرت وحقارت کا زہر پھیلا رہا ہے، نہ صرف کامیاب ہوں گے بلکہ اس کی گہرائیوں سے بغض وکینہ کے جذبات کو ہمیشہ کے لیے دور کردیں گے''۔

(2) ''شمالی ہند ہی وہ خطہ ہے جہاں کہ یہ مدفون آتش فشاں مادہ پھٹنے کے لیے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے۔ جس سے کہ تمام ملک کے امن عامہ میں ایک زلزلہ افگن مصیبت کے پھیلنے کا قوی احتمال ہے''۔

(3) ''اس وقت ہندستانی مرد اور عورتیں اپنی خودداری اور قومی وقار کی واپسی کا مطالبہ کررہی ہیں۔ ہندستان کی تاریخ میں ایک نئے انقلاب کے طلوع کا انتظار ہے''۔

[2] انقلاب کے اسباب

1857ء کا انقلاب جن اسباب کی بنا پر ہوا ان کی روداد بہت بڑی تفصیل پر مشتمل ہے۔ ہندستانیوں کی غرض اس سے یہ تھی کہ ہندستان کو انگریزی راج کی بدترین غلامی سے نجات دلا کر اپنی عظمت ووقار، آزادی وخودداری کو پھر سے حاصل کیا جائے مگر انگریز اس بات کو چھپاتے ہیں کیونکہ اس سے انھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نت نئے مظالم، توسیع سلطنت کے لیے ریاستوں کا الحاق، ڈلہوزی کی حکمتِ عملی، حکومت کی بدعہدی اور اسی طرح دوسری مکارانہ غداریوں کے راز کے انکشاف کا یقین ہے۔ مصنف نے جس وجہ سے اس تفصیل میں جانا پسند نہیں کیا، ہم اس

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کو بحث میں لانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ جن الفاظ سے اس موضوع پر اس کے خیالات کی ہلکی ہلکی شعاعیں پڑتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) ''غدر کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے ''کھوئی ہوئی سلطنت'' کا بناوٹی مؤرخ ذیل کے الفاظ میں اپنے جعل وفریب کی اس طرح نمائش کرتا ہے کہ غدر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی معنی میں بھی قومی بغاوت نہیں تھی، سوائے صوبہ اودھ کے جو اس وقت مشکل سے انگریزی مملکت کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔ اودھ جیسے معمولی علاقہ کو مثال میں پیش کر کے مصنف نے فاش غلطی کی۔ یہ مثال اور کمزور ہو جاتی ہے جب ہم جھانسی اور مرہٹوں کی طرف دیکھتے ہیں جنھوں نے پیشوا کی طاقت کو بحال کرنے کے لیے نانا صاحب کے ماتحت اس بغاوت میں حصہ لیا اور دوسری طرف مسلمانوں نے دہلی کی شہنشاہیت کے قیام کے لیے جدوجہد کی''۔

(2) ''بنگالی مؤرخ بابو رمیش چندر دت لکھتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ہندستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کیے جانے کی وجہ سے ہندستانیوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوئے کہ کمپنی کا منشاء تمام ہندستان کو فتح کر لینا ہے اس لیے تمام معاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ بغاوت کے رہنماؤں نے اشتہارات اور اعلانات کے ذریعے لوگوں کو غیر ملکیوں یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوسِ ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(3) ''نواب معین الدین حسن خاں جو ہمارے محاصرے کے وقت دہلی میں موجود تھے، لکھتے ہیں کہ ''ہندستان میں انگریزوں کی موجودگی ہندستانیوں کے نزدیک مداخلت بیجا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اودھ کو اپنی مملکت میں ملا لینے سے یہ احساس اور زیادہ گہرا ہو گیا''۔

(4) ''جنگِ آزادی کی یہ تحریک کس حد تک مقبول تھی یا صرف فوجی بغاوت کی حیثیت سے رہی جیسا کہ ہمارے مؤرخین بیان کرتے ہیں، یہ ایسے سوالات ہیں جن کا حل یقینی طور پر ابھی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

تک نہیں ہوا''۔

(5) مسٹر ڈزرالی وزیراعظم انگلستان نے 27/جولائی 1857ء کو اپنی تقریر میں کہا کہ'' مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ محض فوجی تکلیف کی بنا پر بغاوت نہیں ہوئی بلکہ درپردہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اُٹھے تھے''۔

(6) چربی والے کارتوسوں کا فوج میں استعمال کرنا بھی ایک سبب بتلایا جاتا ہے لیکن مضامینِ کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ چیز فوجی شورش کی محرک تو ہوئی، لیکن عام سیاسی بے چینی اس سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ بہت سے مقامات پر سول آبادی نے اس سے پہلے بغاوت شروع کر دی تھی جیسا کہ آکسفورڈ تاریخ ہند اور دوسری تواریخ میں اس قسم کی بہت سی تصریحات موجود ہیں''۔

غرض آزادی کی یہ ایک ایسی جنگ شروع کی گئی تھی کہ جس کا مقصد کسی خاص مذہب یا فرقہ کی آزادی تک محدود نہ تھا بلکہ اس میں تقریباً ہندستان کے تمام باشندے شریک تھے اور سب کا مشترک مقصد یہ تھا کہ ہندستان کو انگریزوں کے پنجہ سے نجات دلائی جائے۔

[3] واقعات کی تحقیق

تاریخی واقعات کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے مؤرخ کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایک غیر جانبدارانہ حیثیت کے ساتھ وثوق و اعتماد کے تمام ذرائع پر غور کرے۔ چنانچہ جہاں تک دیکھا گیا ہے مصنف نے اکثر واقعات کو محققانہ طریق پر نقل کیا ہے اور انگریزوں کے جبر و استبداد کا کوئی واقعہ کبھی ایسا نہیں لیا جو خود ان کے نزدیک قابلِ قبول نہ ہو۔

انگریزوں کے برخلاف ہندستانیوں کے عائد کردہ الزامات کو مصنف نے انھیں کے خطوں اور دستاویزوں سے ثابت کیا ہے اور ان تحریرات کی تائید میں پارلیامنٹ کے ریکارڈ اور حکومت کی محفوظ مسلوں کا حوالہ پیش کیا ہے۔ چونکہ ان شہادتوں کے وثوق پر کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

باقی نہیں رہتی تو اس لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن مظالم کی تفصیل اُن کے اندر آ چکی ہے اس سے انگریزوں کو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن تحریروں کی براہِ راست حکومت یا اس کے ذمہ دار افراد کی طرف نسبت نہیں کی گئی، ان کے ثبوت میں دوسری قابلِ اعتماد شہادتوں کی ضرورت پڑے گی۔ مثلاً یہ کہ انگریزوں نے ''زندہ مسلمانوں کے جسم پر سور کی چربی مل کر پھانسی دیا یا زندہ آگ میں جلایا اور ہندستانیوں کو مجبور کیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں''۔

اگرچہ یہ کسی ذمہ دار انگریز کی تحریر سے براہِ راست ثابت نہیں لیکن جب مسٹر ڈی، لین، ایڈیٹر ٹائمز آف انڈیا جیسی معتبر اور مشہور ہستی اپنے ایک آرٹیکل میں اس پر وثوق کا اظہار کر چکی ہے اور حکومت اور اس کے ذمہ دار افراد نے اُس وقت کوئی تردید بھی نہیں کی۔ حالانکہ پریس پر حکومت کا پورا قبضہ تھا۔ نیز اس قسم کے دوسرے واقعات خود ارکانِ حکومت کی تحریروں میں بھی مذکور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف بھی اس کو ایک قابلِ انکار امر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ واقعہ تیقن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

ان واقعات کے ذیل میں اس قسم کی مختلف مثالیں ایسی بھی موجود ہیں جن کو مصنف نے اعتماد و وثوق کے ساتھ نقل تو کر دیا ہے لیکن جن امور پر ان کی صحت و قبولیت کا دارومدار ہے ان کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ مصنف کی نظرِ تحقیق ان واقعات سے کیوں ہٹی رہی حالانکہ اُن کی اہمیت بھی دوسرے واقعات سے کسی طرح کم نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور اہم واقعہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے جس کی تحقیق بھی ایک صحیح اور گہری نظر کی محتاج ہے۔ لیکن اس میں جس طرح مصنف نے اس کو جس شکل میں پیش کیا ہے وہ اس کو تاریخی حیثیت سے مشکوک بنا دیتی ہے۔ اپریل 1919ء میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ ایسا مخفی نہیں کہ جانبدارانہ اغراض کے ماتحت کسی قطع و برید کا متحمل ہو سکے۔ جبر و استبداد کے چنگیزی ہاتھوں نے جس معصوم اور مقدس خون سے پنجاب کی سرزمین پر اس کی داغ بیل ڈالی ہے، وہ دنیا کی کسی مادی و عصبی طاقت کے ذریعے سے محو نہیں ہو سکتی۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

غدر کے اثرات کے سلسلہ میں اس حادثہ کولا کر مصنف نے جس آئینہ سے دکھایا ہے، مجھے خوف ہے کہ وہ کہیں اُس کی جانبدارانہ ترمیم و تنسیخ کو فاش نہ کر دے۔ کیونکہ اس واقعہ کی تفصیل میں جا کر اُس نے جس ڈھنگ سے سفاک ڈائر کے فعل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اسباب و علل کا جو گوشوارہ پیش کیا ہے، وہ حق بینی و حق پرستی کے پردوں کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> ''دوسری طرف جلسے کا انعقاد اِس غرض سے عمل میں نہیں لایا گیا تھا کہ وہاں امن وسکون سے کسی متنازع فیہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا تھا اور نہ ہی وہ غیر مسلح تھے، سوائے اس کے کہ ان کے پاس بندوقیں وغیرہ نہ تھیں۔ عوام اکثر لاٹھیوں سے مسلح تھے''۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جلیانوالہ باغ کے غیر محفوظ رقبہ میں بغیر اسلحہ کے کثیر التعداد انسانوں کا علی الاعلان اجتماع کرنا اگر اِس غرض سے نہیں تھا کہ وہ وہاں باامن رہ کر کسی متنازعہ فیہ مسئلہ کا حل تلاش کریں تو جس مقصد کے لیے یہ انعقاد ہوا اس کی تشریح کیا تھی اور کہاں تک مصنف نے اس کو یقین کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ ''جلسے کا انعقاد اِس غرض سے نہیں تھا۔ یا یہ کہ ''وہ غیر مسلح نہیں تھے (اس لیے کہ) لاٹھیوں سے مسلح تھے''۔ ایک مدعی یا متدین مؤرخ کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں کر سکتا۔

اس واقعہ کی تفصیل میں ایک جگہ پر مصنف نے ایک اور چیز ایسی پیش کر دی ہے جو اس کی مخفی جانبداری کو اور زیادہ روشن کر دیتی ہے۔ چنانچہ وہ انگریزوں کے غیظ وغضب کو جائز و مناسب ثابت کرنے کے لیے ایک وجہ یہ بھی پیش کرتا ہے کہ ''ایسے اشتہارات چسپاں کیے گئے جن میں انگریز عورتوں کو بے عزت کرنے کی ترغیب دی گئی تھی''۔ قارئین جانتے ہیں کہ جلیانوالہ باغ کے حادثہ پر غور وخوض کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مصنف اس کی اہم جزئیات کو ایسی شہادتوں سے فراہم کرتا، جن کے اعتماد و وثوق پر کسی سمجھدار آدمی کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ ظاہر ہے کہ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اشتعال انگیز اشتہارات کا چسپاں کرنا بذاتہ ایسا سنگین واقعہ ہے کہ جس کا ذکر ہنٹر کمیٹی کی نیم سرکاری رپورٹ یا دیگر سرکاری یادداشتوں میں آنا ضروری تھا۔ بالخصوص جب کہ وہ ڈائر کے غیظ وغضب کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے ایک اہم وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن افسوس کہ مصنف یہاں بھی حسب معمول دامن بچا کر نکل گیا۔ حالانکہ وہ اس کو ایک مدعیانہ حیثیت سے پیش کرنے میں مطلقاً نہیں جھجھکا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِن حالات کے ماتحت مصنف کی دیانت اور انصاف کا دامن کہاں تک پاک وصاف رہ سکتا ہے۔

[4] ناکامی کے اسباب

انقلابی واقعات پر غور وخوض کر لینے کے بعد یہ ضروری تھا کہ اس کی ناکامی کے اسباب پر کافی طور پر روشنی ڈالی جاتی۔ دراصل اِن اسباب کا بیان ہی کتاب کا ایسا اہم باب ہے جس کے بغیر تمام مضامین نہ صرف یہ کہ ادھورے رہ جاتے ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی گر جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق چند معلومات حاصل کر لینا، خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو، اس کی تاریخی حیثیت کو واضح نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور خوض نہ کر لیا جائے۔ مثلاً جنگِ عظیم کا بیان اُسی وقت تاریخی حیثیت پیدا کر سکتا ہے جب کہ اس میں دولِ اتحاد واتلاف کی چیرہ دستیوں، ان کی جارحانہ یا مدافعانہ دست درازیوں کے علاوہ جنگ کے اسباب اور فتح وشکست کے وجوہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہو۔ کیونکہ جنگی تواریخ سے محض یہ غرض ہوتی ہے کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے قوموں کی فتح وشکست کے راز معلوم کر کے سیاسی واخلاقی قابلیت کے اُن مدارج پر پہنچ جائیں۔ جن کے ذریعے سے وہ اپنے تحفظ وبقا کا کافی طور پر انتظام کر سکیں۔ اس سے قوموں کے بننے، بگڑنے، اُبھرنے اور گرنے کا راز منکشف ہوتا ہے اور اسی روشنی میں غلام قومیں آزادی کی راہیں تلاش کرتی ہیں اور آزاد قومیں اپنی آزادی کو پنجۂ استعمار سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ متذکرہ صدر اسباب کے چھپانے میں غاصب اور متسلط قومیں کسی قسم کی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

بددیانتی سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ وہ جانتی ہیں کہ تاریخ کا یہ ورق ان کی مکاری و غداری، بددیانتی و بدعہدی، جبر و استبداد، غصب و خیانت اور قتل و غارت کا کچا چٹھا پیش کرتا ہے۔ مصنف کے سابقہ رویہ کو مدّ نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کی نظرِ تحقیق اس باب میں بھی کامیاب نہ ہوسکی ہو کیونکہ اس قسم کے مخفی اسرار ابھی تک جبر و استبداد کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اُن چیزوں کو بھی واضح کردوں جن کو عام طور پر ناکامی کے اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی روشنی میں غور و خوض کر لینے کے بعد اصلی بھید کا سُراغ لگ سکے کیونکہ بعض دفعہ آثار و قرائن کے ذیل میں قطعی دلائل کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ بہر حال تحقیقی ذمہ داری سے قطع نظر کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(1) ہندستانی ریاستوں نے ہندستانیوں کا ساتھ نہیں دیا۔

(2) جنگی رقبوں کی عام سول آبادی نے اس میں حصہ نہیں لیا۔

(3) انگریزوں کے خلاف عام طبقہ میں کوئی پروپگنڈا نہیں کیا گیا اور نہ ہی عام سطح پر جنگ آزادی کی کوئی تحریک تھی۔

(4) جدید اسلحہ اور سامانِ جنگ سے ہندستانی مسلح نہیں تھے۔

(5) ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملک کی دولت پر قبضہ کر کے اس کو کنگال کر دیا تھا۔

(6) جنگجو ہندستانیوں کی جماعت میں ایسے بااثر لوگ بھی موجود تھے جو اپنی اغراض کے ماتحت انگریزوں کے ساتھ در پردہ ساز باز کر چکے تھے۔

(7) ہندستان کی برّی و بحری حدود میں امن تھا اور انگریز مکمل طور پر وہاں قابض تھے۔ صرف پشاور میں دوسو (200) فوجیوں کو بغاوت کے الزام میں سخت سزائیں دی گئی تھیں لیکن اس سے عام سول آبادی میں کوئی خاص اثر پیدا نہیں ہوا تھا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

(8) عام لوگ اس وقت شخصی حکومتوں سے تنگ آ چکے تھے اور ان کے سامنے اس قسم کا کوئی ایسا پروگرام نہیں رکھا گیا تھا جس کی رو سے یہ اطمینان ہوتا کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لینے کے بعد کوئی ایسی حکومت قائم کی جائے گی جو ہندستان کے مشترکہ مفاد کی محافظت اور عام طبقہ کی صحیح نمائندگی کر سکے گی۔

(9) ملک کے اندر پھوٹ اور اختلاف پیدا کرنے کے لیے خطرناک ریشہ دوانیاں کام کر رہی تھیں۔ اس وجہ سے ہندستانیوں میں فرقہ وارانہ حقوق و مفاد اور فوجی جھگڑوں نے افسوسناک صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔

(10) ذرائع نقل و حرکت اور سلسلہ خبر رسانی پر انگریزوں کا کامل قبضہ تھا اور اس کے ساتھ پریس پر بھی پورا اقتدار تھا۔

(11) اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اکیس چھاؤنیاں جنگ کی نذر ہو چکی تھیں مگر وہ اس قدر بکھری ہوئی تھیں کہ ان میں مطلقاً کسی قسم کی باہم شیرازہ بندی نہیں تھی۔ دوسرے سوائے میرٹھ کے کہیں بھی ہندستانی معقول تعداد میں شریک نہیں تھے اور اگر کہیں تھے بھی تو ان کا مرکزوں کے ساتھ کوئی اتصال نہیں تھا۔ برخلاف اس کے انگریزوں کے مراکز محفوظ اور مربوط تھے۔

(12) ہندستان میں تازہ دم انگریزی فوج انگلستان سے اس وقت پہنچ چکی تھی جب کہ ہندستانی فوج کے سربرآوردہ اور محرک قائدین جنگ میں کام آ چکے تھے۔

(13) دُوَلِ خارجہ کے سامنے ہندستان کی مظلومیت اور جنگ کے حقیقی اغراض کا کوئی خاکہ موجود نہیں تھا بلکہ اس کے برخلاف غلط پروپگنڈے کے ذریعے سے بغاوت اور سرکشی کا الزام ذہن نشیں کرایا گیا۔

(14) نئے نظامِ حکومت قائم کرنے اور ہندستانیوں کے ملکی و مذہبی مفاد کی حفاظت کرنے کے متعلق حکومت نے خوشنما وعدوں سے عوام کو لٹو بنا دیا تھا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اِس تفصیل کو سامنے رکھ کر ناظرین حق رکھتے ہیں کہ وہ اس کی ہر ایک دفعہ کو تاریخی معیار سے پرکھیں کیونکہ میں نے ان کو مدعیانہ حیثیت سے پیش نہیں کیا بلکہ عام خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض چیزیں تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر پوری نہ اُتر سکیں لیکن واقعیت کے امکان سے خالی نہیں ہیں۔

بہر حال مصنف کا یہ ایک اہم فرض تھا جو کسی نامعلوم مصلحت کی بنا پر اس نے نظر انداز کر دیا تھا مگر ہماری اس مختصر تحریر نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

[5] پروپگنڈا کی تفصیل اور اس کے اثرات

پروپگنڈے کی تفصیل اور اس کے اثرات پر جہاں تک مصنف نے روشنی ڈالی ہے، وہ بہت بڑی حد تک قابلِ قدر ہے۔ کسی فریق جماعت کے ممبر سے اس قسم کی غیر جانبدارانہ صاف بیانی کا ظہور پذیر ہونا اس کی مدبرانہ صلح پسندی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مصنف نے اپنی قوم کی ہفتاد سالہ غلط بیانی کو بے نقاب کر کے، حق ودیانت کی تصویر کے بعض تاریک گوشوں کو روشن کر دیا ہے۔ اب حق وباطل کے امتیاز میں بھی کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ناظرین کو چاہیے کہ وہ جانبدارانہ جذبات سے الگ رہ کر بغور مطالعہ کریں اور فریقین کے ساتھ حالات کو سامنے رکھ کر موجودہ مشکلات کا حل سوچیں۔

جو قوم اپنی گزشتہ غفلتوں اور کمزوریوں کا تدارک نہیں کرتی وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہندستان کا مستقبل اُسی وقت روشن ہو سکتا ہے کہ ہندستانی اپنی تباہی کا احساس پیدا کر کے میدانِ عمل میں نکل آئیں اور ملک کی آزادی کے لیے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔ آزادی کی منزل کتنی ہی کٹھن اور راستہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہو، اس کی تمام کلفتیں ایک محبِ وطن کے لیے جان سے زیادہ عزیز اور پیاری ہوتی ہیں۔ زمانہ نے بتلا دیا کہ ابھی بھی جان

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نثارانِ وطن کا ایک قافلہ اسی راہ سے گزرا اور منزل مقصود کو پہنچ گیا۔

راہِ آزادی کے اے ہندستانی مسافر! تو بھی عبرت کی آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تیرے سامنے اُن کے نقشِ پا کی شوخیاں، ہمت و استقلال، عزیمت و ایثار کی کیا کیا مثالیں پیش کر چکی ہیں۔ زمانہ نے تیرے لیے اب ایک جدید اور ہنگامہ خیز دَور کا آغاز کر دیا ہے۔ اس لیے اُٹھ اور کمرِ ہمت باندھ، ذلّت و ادبار کی گہرائیوں سے نکل! اور رفعت و بلندی کے آسمان پر چمک!

آخر میں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ان مختصر الفاظ میں عرض کیا گیا ہے وہ دراصل ''تصویر کے دوسرے رُخ'' پر ایک سرسری نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک تنگ وقت اور نامناسب حالت میں تحقیق و تنقید کے فرائض کا ادا کرنا بہت حد تک دشوار ہے۔ بایں ہمہ جس قدر اصل حقائق کی طرف یہ ناظرین کی توجہ پیدا کر سکتا ہے وہ بہت بڑی حد تک کافی ہے۔ ان معروضات کے بعد مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جہاں مصنف نے دنیا کے سامنے ہندستان کی جنگِ آزادی کے متعلق مفید معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ پیش کر کے بہت سے تاریخی حقائق کا انکشاف کر دیا ہے، وہاں یہ بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ محترم شیخ حسام الدین صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کر کے علمی، ادبی، تاریخی اور اخلاقی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کر کے ملک و ملّت کی ایک گراں بہا خدمت سرانجام دی ہے۔ میں نے جہاں تک دیکھا ہے، ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہونے کے علاوہ ساتھ ساتھ معنوی خوبیوں سے بھی خالی نہیں۔ بہرحال ہمیں شیخ صاحب کی اس قابلِ قدر خدمت کا مشکور ہونا چاہیے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پہلا باب

غدر

(1)

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندستان کے متعلق اوّل درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا کہ انگریزی علما ہندستانی علوم وفنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندستانی ہماری حکومت سے تنگ آ گئے ہیں اور انھوں نے ہمارے حسنِ انتظام کی کوئی قدر نہیں کی۔ قطع نظر اس کے ہم اب بھی ہندستان کو اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم کافی قربانی اور خون گرانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن جو شور وغل جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام پر ہوا تھا اُس سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم بری طرح ناکام رہے ہیں کیونکہ ہم پہلے غدر کی طرح دوبارہ خون کی ندی میں تیر کر ہندستان میں اپنے اجارہ کو فروغ دینا نہیں چاہتے۔ نیز گزشتہ عالمگیر جنگ کے اثرات نے نہ صرف ہمیں بہت حد تک خبردار کر دیا ہے بلکہ تھکا بھی دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحالاتِ موجودہ ہم تلخی اور نفرت کی مخلوط فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

ہندستانی سول سروس جو ایک زمانہ میں ہمارے ہونہار اور قابل نوجوانوں کے لیے نہایت

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

درجہ جاذب توجہ ہوا کرتی تھی، موجودہ دور میں ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اب نہایت معمولی قابلیت کے نوجوان نہایت ہی کم تعداد میں ہندستانی ملازمتوں کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ لیکن اس تمام غفلت اور انکار کے باوجود آثار و قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان اپنے معاملات کے حل کے لیے جبراً ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اگرچہ ایک طرف آئرلینڈ نے خود اپنی قسمت کے حل کرنے کے حق کو ہم سے جبراً حاصل کرلیا ہے اور شام و عراق کی گتھی ابھی تصفیہ کی منزل تک نہیں پہنچی۔ نیز گو مصر کے معاملے میں ایک حد تک پردہ ڈالنے میں ہم کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہندستان تا حال ایک غیر مطمئن کیفیت کے ساتھ ہمارے خلاف تلخی اور نفرت کے احساسات رکھتے ہوئے تکلیف کا موجب بنا ہوا ہے۔ اور باوجودے کہ ہم نے ہندستان میں باضابطہ حکومت کی طرح ڈال کر نہایت فیاضی سے اس کو اور نرم کر دیا ہے لیکن پھر بھی ہماری اِس پیشکش کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستانیوں کو پیہم اور مسلسل مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہاں کی مجالسِ آئین و قوانین ایک نقل سے زیادہ حیثیت اختیار نہ کر سکیں یعنی ملک کے منتخب شدہ نمائندگان نے سالانہ آمد و خرچ کے میزانیہ کو مسترد کر دیا جس کی منظوری گورنروں اور وائسرائے کے خاص اختیارات سے لینی پڑی۔ اندریں حالات ہم اس نتیجہ پر پہنچنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ یہ مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ اُس بڑی جدو جہد کا ابھی آغاز ہے۔ چنانچہ موجودہ وقت میں ہندستانی اژدھے سے محفوظ رہنے کے لیے انگلستان خواہ کتنی ہی بیزاری اور پریشانی کا اظہار کرے، یہ ناممکن ہے کہ وہ اس کی دستبرد سے ہمیشہ علاحدہ رہ سکے کیونکہ یہ بالکل صاف طور پر ظاہر ہے کہ اب اس نے حرکت کرنی شروع کر دی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقبل قریب میں دونوں اپنے اپنے راستوں پر چلتے ہوئے یقیناً ایک مقام اتصال پر باہم ملیں گے۔

(2)

انگلستان کا ہندستانی معاملات پر عدم توجہ کا اظہار کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو مدت سے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

زبان زد خلائق ہے۔ چنانچہ دارالعوام کے ہندستانی مباحث کے خلاف ہندستانی نہایت وحشیانہ شدت سے اظہارِ رائے کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ ایسے مباحث میں ممبران کی اکثریت تو سرے سے متنفر ہی رہتی ہے۔ لیکن جو چند ممبران شریک بھی ہوتے ہیں تو وہ بھی پرلے درجے کی لاپروائی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ دو سال ہوئے کہ ایک بیس سالہ پُرانے ممبر پارلیامنٹ نے میرے ایک دوست سے دریافت کیا کہ اس شخص کا کیا حال ہے جو ہمیں اکثر بہت تکلیف دیا کرتا تھا جس کو ''گانڈر''، ''گانڈی'' یا ایسے کسی نام سے پکارتے ہیں کیونکہ اب اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں آتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ باوجود اس امر کے کہ سوال کنندہ پریوی کونسلر کے ممتاز عہدے پر فائز ہے۔ لیکن وہ اس حد تک لاعلم ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کے زمانے کا نہایت ہی ممتاز انسان جو ہندستانیوں کے نزدیک تمام مجالس وضع آئین وقوانین کے مقابلہ میں اکیلا تمام ملک کی نمائندگی کا حق رکھتا ہے، ایک غیر ملکی عدالت کے حکم سے جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔

ہندستان سے ہماری لاپروائی کی پالیسی کے ثبوت میں بھی نہایت زبردست دلائل موجود ہیں۔ جو اگرچہ ہندستانیوں کے لیے ایک معمہ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ہم انھیں آسانی سے بیان کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی ہندستان کو اپنا کر نہیں رکھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ شروع میں تو یہ خالصتاً تاجروں کی ایک کمپنی کی جولانگاہ تھا جو اپنے تجارتی مفاد کے لیے اس کے انتظام وغیرہ کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یعنی چند خاندانوں میں یکے بعد دیگرے سول یا فوجی افسران کے ذریعے یہاں پر حکومت کی جاتی تھی مگر برطانیہ کے وسیع متوسط طبقہ کے لیے ہندستانی معاملات میں اس سے زیادہ اور کوئی دلچسپی نہ تھی کہ وہ چند پادریوں یا بہت سے تجارت پیشہ اصحاب کو یہاں بھیج دیتے تھے جو زیادہ تر کلکتہ، بمبئی یا مدراس وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں تجارت کی کوٹھیاں کھول کر دولت اکٹھی کیا کرتے تھے۔

لیکن موجودہ زمانے میں اس بے تعلقی اور لاپروائی نے ہندستانیوں کے دلوں میں ہمارے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

خلاف غصّے اور نفرت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں اور دوسری طرف ہم بھی ہندستان کے معاملات سے برداشتہ خاطر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر نے ہندستان کے متعلق اظہارِ رائے کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ اِس تمام معاملے پر غور کرنے سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہم نے ہندستان کے لیے وہ تمام مفید ترین کام جو ایک ملک دوسرے ملک کے لیے کر سکتا ہے کر دیے ہیں۔ لیکن ہندستانیوں نے ان کو نہایت ناشکری سے قبول کیا ہے مگر اس کے مقابلے میں ہندستان میں ہمارے خلاف نفرت کے جذبات نہایت سرعت سے ترقی کر رہے ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک میں قحط اور افلاس روز افزوں ترقی کر رہا ہے جس سے انتہا پسند سیاست داں طبقہ فائدہ اٹھا کر ملک میں ایجی ٹیشن برپا کر رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف کسان اپنی بیچارگی اور غربت کی وجہ سے حکومت کے دست نگر ہیں جس سے معاملات اس حد تک پیچیدگی اختیار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے مجھے ایک دفعہ کہا کہ ہم ہندستانی ایک نیم گرسنہ قوم ہیں اور ہماری خوراک میں جو صرف چاولوں اور ترکاری تک محدود ہے، غذائیت بالکل مفقود ہے۔ جس کے صاف طور پر یہ معنی ہیں کہ محض زندہ رہنے کے لیے عنقریب ایک بہت بڑی جد و جہد شروع ہونے والی ہے جیسی کہ ہمارے اپنے ملک میں بھی موجود ہے۔ اندریں حالات حکومت روکنے کے لیے خواہ کتنی بھی سر توڑ کوشش کیوں نہ کرے لیکن ناممکن ہے کہ مفلس اور فلاکت زدہ عوام میں بے اطمینانی کے بڑھتے ہوئے جذبات کو فرو کر سکے۔ چنانچہ صورتِ حالات کی اِس نزاکت کو ہندستانی انتہا پسند طبقہ نے بخوبی سمجھ لیا ہے اور آئے دن کے سیلاب اور قحط کی وارداتوں سے وہ ہر وقت حسب منشاء فائدہ اٹھانے کے لیے بیتاب نظر آتا ہے۔ دوسری طرف ہمارا تعلیمی نصاب اِس حد تک بے نتیجہ اور مایوس کن ہے کہ وہ بھی حالات کے خراب کرنے میں بہت بڑی امداد بن رہا ہے۔ لیکن یہ تمام اسباب نفرت کے اصلی جراثیم کو ظاہر نہیں کرتے جو اس وقت ہندستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ برطانوی نام کے خلاف مستقل اور ٹھوس نفرت کا جذبہ کارفرما ہے۔ جس کے اسباب کی جستجو کے لیے جس قدر بھی جلد

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ہم کوشش کریں اُتنا ہی بہتر ہوگا کیونکہ نفرت اور کشیدگی کی خلیج دن بدن وسیع ہو رہی ہے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ دماغ میں مشہور واقعات اور مظالم کی یاد زندہ ہے جس کی بنا پر ہمارے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات میں بھی نہایت سرعت کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری طرح اور بھی بہت سے ایسے انگریز ہوں گے جن کو ہندستان میں یہی کیفیت نظر آئی ہو اور وہ بھی نہایت دیانتداری سے اس کشیدگی یا صحیح تر الفاظ میں ہم سے علاحدگی اختیار کر لینے کی تحریک کے اصل اسباب اور وجوہ کی تلاش میں سرگرداں رہے ہوں۔ اور گرچہ اپنے زعم میں وہ اصل نتیجے تک پہنچنے سے ایک حد تک مطمئن ہو گئے ہوں لیکن دراصل انھوں نے بھی مغالطہ ہی کھایا، کیونکہ جس چیز کو انھوں نے ایک ٹھوس اور مضبوط دیوار سمجھا تھا وہ درحقیقت ایک پردہ تھا جس کے نقش ونگار سے دیوار کا مغالطہ ہوا۔

(3)

مصالحت کا فقدان نہاں خانۂ دماغ کے کسی گوشے میں ایسا مخفی ہوتا ہے کہ جس تک رسائی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کی باہمی آویزش کبھی ایسا رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ وہ باوجود ایک الگ اور جداگانہ ماحول رکھنے کے بھی ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں ہو جاتی ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسری کی ہستی کو دنیا سے مٹا کر اپنی ہوس خودداری کو پورا کریں۔ خود اپنی قوت ایک بہت بڑی حد تک زائل کر دیتی ہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے شیر ونہنگ کی مشہور چپقلش جو کہ ایک دوسرے کے درپے ہو کر ہوا اور امواج پر حملہ کر دیتے ہیں۔ مگر اس تاخت وتاراج کی ناکام کوشش سے سوائے اس کے کہ اپنی قوت کا ستیاناس کر دیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اندریں حالات یہ ناممکن ہوتا ہے کہ اس قسم کے مستور اور پوشیدہ اسباب تک رسائی حاصل کر کے مصائب ومظالم کے رستے ہوئے ناسور کے اندمال کی کوشش کی جائے۔ خصوصاً جب کہ ایک فریق اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ وہ پیہم اور مسلسل ناانصافیوں اور زیادتیوں کا شکار بنایا گیا ہے اور

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

دوسری طرف فریقِ ثانی نے واقعات کی نشر واشاعت اپنے مفاد کے مطابق دنیا میں اس حد تک کی ہو کہ وہ مبالغہ آمیزی میں کامیاب رہے۔ چونکہ تاریخ اور پریس دونوں پر اس کا قبضہ تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تلخی اندر ہی اندر اس حد تک مسموم اور زہریلی شکل اختیار کر لیتی ہے جو احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ انگریز اپنی طاقت کے باوجود مذکورہ ناانصافی کے اس حد تک خوگر ہو چکے ہیں کہ ہندستان کے متعلق اُن سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آئرلینڈ، جنوبی افریقہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ ہمارا سلوک اُس زمانہ میں جب کہ یہ ممالک ہماری نو آبادیاں تھیں، اگرچہ کسی قدر خراب ضرور تھا، لیکن اتنا سفاکانہ اور غیر منصفانہ نہیں تھا جتنا کہ دنیا خیال کرتی ہے۔ آئرلینڈ والوں نے دل کھول کر امریکہ میں ہمارے خلاف پروپگنڈا کیا کیونکہ ہماری مملکت میں کھلے طور پر اس قسم کے اظہار خیال کرنے میں رکاوٹیں تھیں۔ چنانچہ آئرش مقررین نے ملک کی محبت کے نام پر پورے زور شور سے نہایت کامیابی کے ساتھ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکایا۔ جنوبی افریقہ کی بوئر قوم نے بھی بڑا عظم یورپ میں ہمارے خلاف کثرت سے جھوٹ کی اشاعت کی۔ اہلِ امریکہ نے بھی محض معمولی وجوہات کی بنا پر واقعات کو مبالغہ آمیزی کا رنگ دیا۔ میں یہاں پر کسی سخت جملہ کے استعمال سے احتراز کرتا ہوں اس لیے کہ وہ خود ہی اب فراخ دلی کے ساتھ واقعات کا حقیقی انکشاف کر رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت اب واضح ہو رہی ہے کہ کیوں ہم کو ایک نہایت ہی غیر ضروری جنگ میں ایسے وقت میں اُلجھایا گیا جب کہ ہم اپنی سلطنت کے بقا و تحفظ کے لیے نپولین (Nepoleon) جیسے قوی دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ تاریخ کو نہایت فیاضی کے ساتھ دوبارہ لکھا جا رہا ہے جس سے ہمیں کافی نفع مرتب ہو رہا ہے یعنی اب دنیا کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ صرف انگریز قوم ہی ہمیشہ منافق یا خونخوار نہیں رہی بلکہ تحمل اور بُردباری سے ہم نے اس تمام مفتریانہ پروپگنڈا کو برداشت کیا ہے۔ اسی سے ہی ہماری صداقت دنیا پر آشکارا ہو رہی ہے۔ لیکن کیا تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے لبریز نہیں جن کی نشر واشاعت میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو۔ اب جب کہ امریکن مورخین کی فیاضی سے ہمارے خلاف

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

بدنامی اور تہمت تراشی کے گھناؤنے بادل چھٹ رہے ہیں تو کیا ہم پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ ہم بھی ہندستان کے معاملات میں ویسی ہی فراخ دلی کا ثبوت دیں۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہم نے نیک نیتی کے ساتھ قدم اٹھایا تو ہم اُس سرچشمہ تک پہنچنے میں جو آج نہایت تیزی کے ساتھ ہمارے خلاف نفرت وحقارت کا زہر پھیلا رہا ہے، نہ صرف کامیاب ہوں گے بلکہ ہم اُس کی گہرائیوں سے بُغض اور کینے کے جذبات کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیں گے۔

ہندستانی مورّخ نہیں کیونکہ غیر جانبدارانہ تنقید کی قابلیت اُن میں نہیں ہوتی۔ اُن کی نہایت ہی مفید کتابیں تحقیق وعلم کی بُہتات کے باوجود پڑھنے والے کی طبیعت کو اُلٹا پریشان کر دیتی ہیں۔ جس کی غالب وجہ یہ ہے کہ کتاب کا بیشتر حصہ کثرتِ تکرار اور غیر ضروری تشریح کی نذر ہو جاتا ہے اور تنقیدی قابلیت کی کمی کی وجہ سے کتاب کا وہ اثر نہیں رہتا۔ چنانچہ ہندستانی مؤرخین سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہمارے تعلقات اور سلوک کی جملہ کیفیتوں پر الگ الگ بحث کر سکیں کیونکہ وہ اپنی معلومات اور تحقیقات کو مرغوب طریق سے ترتیب دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ بنابریں جب وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک نہایت ہی ضروری اور اہم واقعہ کی نشر واشاعت ارادۃً غلط طور پر کی ہے جو نہایت ہی نامناسب ہے اور یہ کہ اُس کی تلافی سے وہ صحیح واقعات کی نشر واشاعت میں ناکام رہ چکے ہیں تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہوگا کہ ان کے دلوں میں ہمارے برخلاف بغض وعداوت کے جراثیم جڑ پکڑ جائیں گے۔

(4)

ہندستان میں آکسفورڈ تاریخ ہند (Oxford History of India) کی اتنی شدید مخالفت کیوں کی گئی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ غدر کے رنجدہ واقعات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فاضل مصنف نے کسی قدر سرد مہری اور بے اعتنائی کا ثبوت دیا ہے لیکن بذاتہٖ وہ ایک ایماندار اور منصف مزاج انسان ہے اور ہندستان کا سچا بہی خواہ۔ کتاب کی تصنیف میں اسناد سے پوری تحقیقات اور غور وفکر سے کام لیا گیا ہے اور نہایت ہی مناسب طریق سے واقعات کی جانچ پڑتال

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کی ہے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جس کے حصول کے لیے ہندستانیوں میں ابھی ضروری صبر اور غیر جانبدارانہ قابلیت کی ضرورت ہے۔ بااین ہمہ مصنف کی ان خوبیوں کو نظر انداز کر کے داستانِ غدر کے طرزِ بیان میں ہندستانیوں نے ایک خاص تلخی محسوس کی ہے اور مصنف کی سرد مہری اور لاپروائی کے خلاف ویسی ہی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے جس طرح اُن مصنفین کے خلاف کیا گیا تھا۔ جنھوں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ ایک ایسی مفید کتاب اس سے بھی کہیں زیادہ مفید اور قیمتی دستاویز بن جاتی اگر اندازِ بیان میں تھوڑی سی گرمی اور فراخدلی کا اور اضافہ کر دیا جاتا۔ جس سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا کہ مصنف کا مقصد صرف واقعات کی تصحیح اور سچائی کو بے نقاب کرنا ہی نہیں بلکہ گزشتہ صدمات کا ازالہ بھی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کتاب میں مذکورہ گرمی اور فراخدلی عنقا ہے۔ مزید برآں یہ کتاب چونکہ آکسفورڈ کی سرکاری درسگاہ سے شائع ہوئی ہے اس لیے اس کے مخصوص طرزِ بیان کو ہندستانیوں نے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی طرح محسوس کیا ہے جو معلوم نہیں ابھی اور کتنے عرصہ تک اسی طرح تکلیف دہ رہے گا۔

سرزمینِ ہند میں انگریزوں اور ہندستانیوں کے متعلق جو نقش قارئین (فرنگی اقوام) نے اپنے دماغوں پر بٹھایا ہے وہ اُسے بھولے نہیں ہوں گے۔ ہمارے مؤرخین اور افسانہ نگاروں نے اِس موضوع پر نہایت واضح طور سے ایک خاص قسم کا پروپگنڈا کیا ہے۔ چنانچہ عام طور پر ایک ہندستانی کی سیرت کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے:

''نیم شیطان اور نیم بچہ، ناتربیت یافتہ، قانع، کُتّے کی طرح وفادار اور اطاعت شعار، تصوّف کا شیدائی اور خیالستان میں محو۔ لیکن ان اعلیٰ صفات کے ساتھ ساتھ اُس میں ایک دغاباز باغی اور ایک خونخوار مذہبی دیوانہ بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے''۔

بمقابلہ اس کے ایک انگریز کی سیرت کا فوٹو اِس طرح پیش کیا جاتا ہے:

''متین، قابل، انصاف کی ایک نہ ٹلنے والی چٹان اور ہر ایک کے ساتھ اُس کی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

حیثیت کے مطابق سلوک کرنے والا"۔

اس قسم کے بے بنیاد اور مذموم سیرت نگاری کے خلاف اگر ہندستانی نفرت کا اظہار کریں یا کپلنگ (Kipling) جیسے مشہور برطانوی ناول نویس کے نہایت ہی بلند پایۂ افسانوں کو پڑھتے وقت تکلیف اور بے عزتی کے جذبات ہندستانی قلوب کے اندر پیدا ہوں تو یہ کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوگی۔ متعدد ایسے واقعات کو جنھیں ہمارے مؤرخین نے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے ہندستانیوں نے نہ صرف اُن کی صحت سے ہی انکار کیا ہے بلکہ انھیں غلط ثابت کرنے کے لیے ہمیں بہ بانگِ دُہل چیلنج بھی کیا ہے۔ باایں ہمہ اُن کا اِس ایک واقعہ (غدر 1857) کے متعلق خاموشی اختیار کرنا محض اِس بنا پر ہوسکتا ہے کہ اس کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی اور فریقین کے دلوں میں اس کی تلخ یاد ابھی تک تازہ ہے۔ نیز اِس وجہ سے بھی کہ اِن واقعات کے متعلق انگریزوں کا نقطۂ نظر اُن کے عالمگیر پروپگنڈا کے زیرِ اثر نہایت مضبوطی سے جم چکا ہے جو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بدقسمتی سے اِس حادثہ میں ہم ایک بڑے پیمانے پر ظالمانہ ناانصافی کے مجرم بنے ہیں۔ اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ فریقین کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف تلخی کے جذبات مٹ جائیں تو ہمیں لازماً اِس حادثہ فاجعہ یعنی غدر 1857ء کے متعلق اپنے خیالات کو بدلنا ہوگا۔ جنوبی ہندستان مشکل سے غدر سے متاثر ہوا اور اب بھی اُس کے خیالات پر اِس تلخ یاد کا کوئی گہرا اثر باقی نہیں۔ گو اس ایک امر کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جن کی رو سے جنوبی ہند میں اِس حد تک نسلی منافرت اور عام بے اطمینانی کے جذبات اثر پذیر نہیں ہوسکے جتنے شمالی ہند میں موجود ہیں۔ مگر شمالی ہند ہی وہ خطہ ہے جہاں کہ یہ مدفون آتش فشاں مادہ پھٹنے کے لیے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے جس سے کہ تمام ملک کے امنِ عامہ میں ایک زلزلہ فگن مصیبت کے پھیلنے کا قوی احتمال ہے۔ بہت سے ہندستانیوں کے دماغ میں کسی انگریز سے مخاطب ہوتے وقت غدر کے مصائب کا خیال ایک ایسے بھوت کی طرح مسلط رہتا ہے جس نے اپنا بدلہ نہ لیا ہو اور جس کی تمنائیں تاحال پوری نہ ہوچکی ہوں۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

(5)

غدر کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے ''کھوئی ہوئی سلطنت'' (The lost dominion) کتاب کا بناوٹی مؤرخ ذیل کے الفاظ میں اپنے جعل وفریب کی اس طرح نمائش کرتا ہے کہ:

''غدر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی معنی میں بھی قومی بغاوت نہیں تھی سوائے صوبہ اُودھ کے جو اُس وقت مشکل سے انگریزی مملکت کا حصہ کہا جاسکتا تھا''[1]۔

اُودھ جیسے معمولی علاقہ کو مثال کے طور پر پیش کر کے اس کتاب کے مصنف نے ایسی فاش غلطی کی ہے جو کسی معمولی مؤرخ سے بھی کبھی نہ ہوتی۔ یہ مثال اور کمزور ہو جاتی ہے جب ہم جھانسی اور مرہٹوں کی طرف دیکھتے ہیں جنھوں نے پیشوا کی طاقت کو بحال کرنے کے لیے نانا صاحب کے ماتحت اِس بغاوت میں حصہ لیا اور دوسری طرف مسلمانوں نے دہلی کی شہنشاہیت کے دوبارہ قیام کے لیے جدوجہد کی۔ چنانچہ آکسفورڈ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ:

''غدر اگرچہ بادی النظر میں بنگالی دستہ کی ایک فوجی بغاوت تھی جو چربی والے کارتوسوں کے استعمال سے بھڑکی۔ لیکن آخر کار یہ صرف فوج تک محدود نہیں رہی۔ سول رعایا میں بھی بہت حد تک بے چینی اور بے اطمینانی کے جذبات موجود تھے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر فوجی سپاہیوں کی بغاوت سے پہلے وہاں کی سول آبادی نے بغاوت شروع کر دی''[2]۔

بنگالی مؤرخ بابو رمیش چندر دت لکھتا ہے کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں شمالی اور وسطی ہندستان کی فوج میں بغاوت شروع ہوئی۔ لیکن بعض سیاسی اسباب کی وجہ سے اُس نے وہاں کی بڑی بڑی جماعتوں میں پھیل کر ایک عام سیاسی بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ لارڈ ڈلہوزی

1- P.47 By Al Corthill. 2- p. 722 By Alcorthill.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کے عہد میں ہندستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کیے جانے کی وجہ سے ہندستانیوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوئے کہ کمپنی کا منشاء دراصل تمام ہندستان کو فتح کر لینا ہے۔ اس لیے اس مقصد کے زیر اثر کمپنی نے تمام معاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لوگوں میں عام بے چینی تو موجود ہی تھی۔ جس سے بغاوت کے رہنماؤں نے فائدہ اُٹھا کر اشتہارات اور اعلانات کے ذریعے لوگوں کو غیر ملکیوں یعنی انگریزوں کے بدعہدی اور ہوسِ ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی''[1]۔

نواب معین الدین حسن خان جو ہمارے محاصرے کے وقت دہلی میں موجود تھے، لکھتے ہیں کہ:

''میں اپنے قصّے کو اس بیان سے شروع کروں گا کہ ہندستان میں انگریزوں کی موجودگی ہندستانیوں کے نزدیک مداخلت بے جا کی حیثیت رکھتی ہے اور اَودھ کو اپنی مملکت میں ملا لینے کے بعد یہ احساس اور زیادہ گہرا اور شدید ہو گیا۔ ہندستانی فوج کی بغاوت کے جو اسباب انگریز مؤرخین نے بیان کیے ہیں، انگریز قوم اُن سے بخوبی واقف ہے لیکن ہندستانیوں کے خیالات اس معاملہ میں ان سے بہت بڑی حد تک مختلف ہیں''[2]۔

مسٹر ڈزرالی (Disraeli) وزیر اعظم انگلستان نے 27 جولائی 1857ء کو اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ:

''مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ بنگالی دستہ کے باغیوں نے محض فوجی تکلیفات کی بنا پر بغاوت نہیں کی بلکہ در پردہ وہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی

1- India in the Victorian Age, p. 223.

2- The Indian Narrative of the Mutiny by C.T. Metcalfe, p. 31,32.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

حمایت میں اٹھے تھے۔ دوسری قوموں کے جذبات کا احترام کرنا ہماری حکومت کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے جس کو گورنمنٹ ہند نے گزشتہ چند سالوں سے بالکل خیر باد کہہ دیا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ملک کی تقریباً تمام مقتدر جماعتیں اپنے آپ کو خطرہ میں محسوس کر رہی ہیں"[1]۔

جنگِ آزادی کی یہ تحریک کس حد تک مقبول تھی یا صرف ایک فوجی بغاوت کی حیثیت سے شروع ہوئی تھی جیسا کہ ہمارے مؤرخین نے ہمیشہ بیان کیا ہے، یہ ایسے سوالات ہیں جن کا حل یقینی طور پر ابھی تک نہیں ہوا۔ البتہ حیرت تو اس امر کی ہے کہ اس قسم کی غیر معمولی اہمیت رکھنے والا حادثہ آج تک نہ صرف غیر جانبدارانہ تحقیقات کا شرمندہ رہا ہے بلکہ بالکل یک طرفہ بیانات کو ہی اصل اور صحیح سمجھا گیا ہے۔

دوسرا بڑا سبب جس سے بغاوت کی آگ فی الفور بھڑک اٹھی جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے، چربی والے کارتوسوں کا قضیہ ہے۔ اخلاقی تنزلی (گراوٹ) کی اس سے بڑھ کر مکروہ مثال اور کہیں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ مؤرخ لی کے (Leeky) لکھتا ہے کہ:

"کانپور کا خوفناک ہنگامہ جو اگرچہ ایک آدمی کے باعث وقوع پذیر ہوا، انگریزی قوم کے دماغ پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ وہ اس کے متعلق متانت اور سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہ کر سکی اور ایک ایسی لڑائی جس میں کہ فریقین نے ایک دوسرے پر ذرہ برابر بھی رحم روا نہیں رکھا، فطرۃً ایک انتہا درجہ کی بربریت اور وحشت کا مظاہرہ ہے۔ انگریز مؤرخین اگر غور سے اس واقعہ پر نظر ثانی کریں تو ان کو نہایت ندامت اور شرمندگی سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر کسی بغاوت کے لیے کوئی جائز وجہ کا امکان ہو سکتا ہے تو موجودہ حادثہ میں اس سے بدرجہا زیادہ مضبوط اور قوی وجہ

1- The Life of Benjamin Disraeli by G.R, Buckle. Ch.IV. p.88.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ہندستانی سپاہیوں کے لیے موجود تھی''[1]۔

لارڈ رابرٹس (Roberts) مسٹر اینسن (Anson) کی ایک چٹھی کا اقتباس پیش کرتے ہیں جو اس نے غدر کے ایام میں بہ حیثیت سپہ سالار لارڈ کیننگ (Canning) وائسرائے ہند کو لکھی تھی:

''کارتوسوں کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے سپاہیوں کے اعتراضات پر مطلقاً کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ کارتوسوں میں ایسی چکنی چیز کا استعمال کیا جائے گا جو بالکل چربی ہے۔ گولی کے دبانے کے بعد بندوق کے منہ کی جالی اسی چربی سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے''[2]۔

اس کے بعد اپنی رائے کو ذیل کے الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ:

''میری رائے میں ان کارتوسوں کے استعمال سے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو ناقابلِ یقین طریق سے ٹھکرا دیا گیا ہے''[3]۔

جب اس ناقابلِ استعمال چیز کے استعمال پر اصرار کیا گیا تو سپاہی آپے سے باہر ہو گئے اور سوار فوج کی پلٹن نمبر 3 کے پچاسی (85) جوانوں نے اس کے استعمال سے صاف انکار کر دیا جس پر جنھیں فی الفور فوجی عدالت کے روبرو پیش کر کے دس سال عمر قید کی سزا اُسی وقت سنا دی گئی۔ اس میں سے گیارہ نوجوان سپاہیوں کی سزا میں پانچ سال کی تخفیف کر دی گئی۔ اس منتقمانہ سزا کا حکم 9 رمئی کو ایسے ذلیل کن طریقے سے سنایا گیا جو بالکل تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ ایک انگریز مؤرخ نے اس انسانیت سوز نظارہ کا فوٹو ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے:

''بندوقوں اور سنگینوں کے پہرے میں پچاسی جوانوں کو ان کے اپنے فوجی لباس میں سپاہیوں کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا کو بلند آواز

1- The Map of life 1921, Edition, p.104

2- Forty one year: in India, p.94 3- Ibid , L 31.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سے سنایا گیا۔ جس کا مقصد سپاہیوں کو بدکار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا۔ فوجی نشانات اُن سے چھین لیے گئے اور وردیاں ان کی پُشت کی طرف سے پھاڑ دی گئیں۔ پھر لوہار زنجیریں اور اوزار لے کر آگے بڑھے اور آناً فاناً میں وہ پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشن اور ظاہر علامات کے ساتھ یعنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے نظر آئے۔ یہ نہایت ہی دردناک اور ذلت آفریں نظارہ تھا جس سے سپاہی بے حد متاثر ہوئے۔ بالخصوص جب انھوں نے اپنے بدقسمت ساتھیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت اور مایوسانہ انداز کو دیکھا۔ حالانکہ اُن میں سے بعض اپنی پلٹن میں نہایت ہر دلعزیز تھے اور انھوں نے متعدد دفعہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر برٹش حکومت کی ترقی اور وفاداری کا ثبوت بھی دے دیا تھا۔ قیدیوں نے ہاتھ اُٹھا کر بآواز بلند جرنیل سے گڑگڑا کر رحم کی درخواست کی کہ ان کو اِس شدید مصیبت اور ہلاکت سے بچا لیا جائے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس طریقہ سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوسکتا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بے عزتی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انھیں شرمندہ کیا اور غیرت دلائی۔ اُس وقت ایک بھی سپاہی اُس میدان میں ایسا موجود نہیں تھا جس نے اپنے سینے میں اِس واقعہ سے نفرت اور رنج کے جذبات اُٹھتے ہوئے محسوس نہ کیے ہوں۔ لیکن بھری ہوئی میدانی توپوں اور بندوقوں اور سواروں کے چمکتے ہوئے خنجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں میں لے گئے۔ جن پر پہرہ دینے کے لیے انہی کے ساتھیوں کو متعین کیا گیا تھا''[1]۔

1- Raye History of the Sepoy War (9th RD 1880) Book IV Ch:ii

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ایسے اشتعال انگیز مظاہرے کے بعد دیسی سپاہیوں کا پہرہ لگانا لارڈ کیننگ (Canning) کی رائے میں ''ایک بعید از قیاس حماقت'' ہے اور غدر کے پھوٹنے کے کچھ عرصہ بعد باوجود اس امر کے کہ چاروں طرف سے دھڑا دھڑ پھانسیاں دی جارہی تھیں۔ لیکن اس پر بھی مزید سختی کا مطالبہ زوروں پر تھا۔ اس وقت لارڈ موصوف نے اس خونریزی کی آگ کو فرو کرنے کے لیے ذیل کے الفاظ میں جواب دیا:

''گورنمنٹ کی معتدل پالیسی پر حرف گیری کرنا اور اُسے غدر کے پھوٹنے کی بنا قرار دینا درست نہیں بلکہ درحقیقت اِس آگ کا محرک وہ بے دردانہ سزا کا حکم ہے جو نہایت ہی ذلیل طریق سے میرٹھ کی چھاؤنی میں صادر کیا گیا تھا''[1]۔

غدر کے واقعہ کے دوسرے دن:

''سواروں کی ایک پلٹن اور دو پیادہ پلٹنوں نے بغاوت کر کے سب سے پہلے جیل کو توڑا اور اپنے تمام ساتھیوں کو آزاد کیا۔ اس سے فارغ ہو کر اپنے افسروں کے بنگلوں پر حملہ کر کے ہر اُس فرنگی کو جو اُن کے ہتھے پر چڑھا، بیدردی سے تہِ تیغ کیا۔ جس کے بعد انھوں نے دہلی کی طرف یلغار کی۔ ہندستان کے غدر کی ابتدا عام طور پر اِس دن یعنی 10 رمئی 1857ء سے شمار کی جاتی ہے''[2]۔

بربریت اور کمینگی جو دنیا میں ہمیشہ ایسی مذموم غلامانہ بغاوتوں کا لازمی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ پورے زور سے انسانیت اور شرافت کا ماتم کر رہی تھی۔ چنانچہ دہلی پہنچتے ہی باغیوں نے نہایت سفاکی اور بے رحمی سے انگریز عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

(6)

تاریخ عالم میں آقاؤں کے خلاف غلاموں کی بغاوتیں اختتام پر محارب فریقین کی طرف

1- Earl Canning by Sir H. Cunnigham.

2- Oxford History of India p.715

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سے قربانیوں اور شیطانی نا انصافیوں کا ذخیرہ ہمیشہ چھوڑ دیا کرتی ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو مشکل سے کوئی واقعہ ایسا ملے گا جس میں فریقین نے ایک دوسرے پر رحم کا اظہار کیا ہو، ورنہ دونوں طرف سے خوف و دہشت کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے یہاں تک کہ ایک فریق دوسرے کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں جزیرہ جمیکا (Jamaica) کے غلاموں کو بغاوت کی پاداش میں زندہ آگ میں جلایا گیا اور توپوں سے باندھ کر اُڑا دیا گیا۔ چنانچہ گورنر آئر (Eyre) کے عہد حکومت 1865ء میں باغیوں کے پس ماندگان کو نہایت کثیر تعداد میں پھانسیوں پر لٹکا کر یا کوڑے مار مار کر ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ ڈیمیرارا (Demerara) میں 1824ء میں:

> ''تیئیس (23) باغیوں کو تو صرف کرنیل لیہے (Leahy) کے حکم سے فی الفور جان سے مار دیا گیا۔ اس کے علاوہ بے شمار انسانوں کو فوجی عدالت کے حکم سے قتل کیا گیا۔ مارشل لا یعنی فوجی قانون پورے پانچ مہینے تک نافذ رہا اور تقریباً دو سو آدمیوں پر مقدمات چلائے گئے۔ صرف ایک ماہ کی قلیل مدت کے اندر اندر سینتالیس (47) مردوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا جن میں سے بعض کی لاشوں کو زنجیروں میں جکڑ کر عام شاہراہوں میں لٹکا دیا اور بعض کے سر کاٹ کر بانسوں پر لٹکائے گئے۔ باقی ماندہ مجرموں کو نہایت بیدردی اور وحشیانہ طریق سے کوڑوں اور بیدوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا جو ایک مجرم کے لیے دو سو سے لے کر ایک ہزار تک لگائے جاتے تھے''[1]۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں وحشیانہ قتل و غارت کے واقعات اب بھی دیکھنے میں آتے ہیں جہاں بدقسمت حبشیوں کو معمولی جرائم کی پاداش میں اگرچہ فرضی ہی کیوں نہ ہوں، بعض دفعہ نہایت دردناک سزائیں دی جاتی ہیں اور اکثر حالات میں تو وہاں کے مروّجہ قانون کی امداد

1- Smith of Demerara by David Chamberlain, p.73

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

تک سے محروم رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بے گناہ انسانوں کو پکڑ کر نہایت سنگ دلی سے ان کو گرم میخوں سے داغ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اِس اذیّت کے صدمے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ بربریت کی نمائش اب رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے۔

غلام ممالک میں بے اطمینانی کی وجہ سے فوجی بغاوتیں عام طور پر نہایت ہی ہیبت ناک ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے کہ فریقین مسلّح ہونے کے باعث فی الفور انتقام لینے پر اُتر آتے تھے اور ایک دوسرے پر دل کھول کر مظالم کرتے تھے۔ کارتھیج (Carthage) میں اجارہ دار سپاہیوں نے دو دفعہ بغاوت کی جس کے فرو کرنے کے لیے ہزار ہا انسانوں کو سُولی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ اسپارٹیکس (Spartacus) کے ماتحت شمشیر باز سپاہیوں کی بغاوت اس سے زیادہ وحشیانہ طریق سے فرو کی گئی یعنی رومن جرنیل پومپی (Pompy) نے روم (Rome) سے لے کر اوسٹیہ (Ostia) تک سڑک کے کنارے کنارے دونوں طرف چھ ہزار سُولیاں لٹکا دی تھیں۔ آکسفورڈ تاریخِ ہند کا مصنف اپنی مخصوص محتاط زبان میں ہندستانی غدر کی خونریزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"یہ بغاوت اپنے پیچھے بے شمار خوفناک حوادث، بے انتہا مصائب اور متعدد ایسے مکروہ اور رنجدہ واقعات چھوڑ گئی ہے کہ جن کے ذکر کرنے سے بھی قلب کو صدمہ پہنچتا ہے"[1]۔

لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور مؤرخ جو اشارات میں گفتگو کرنی پسند نہیں کرتا، واقعات کی تصویر جس میں ہمارے نزدیک مبالغہ کا شائبہ بھی نہیں، ذیل کے الفاظ میں کھینچتا ہے:

"یہ ہنگامہ بظاہر دو وحشی اقوام کے درمیان رونما ہوا تھا۔ جن کے دماغوں سے سوچنے کی طاقت مفقود ہو چکی تھی اور رحم و انصاف کے جذبات اُن کے سینوں سے رخصت ہو گئے تھے۔ صرف ایک ہی خیال دونوں فریق پر غالب آ چکا تھا کہ کس طرح ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

1- p.723

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

فریقین نے نہایت ہی وحشت اور درندگی کا ثبوت دیا اور دونوں کی طرف سے اس قسم کے دل ہلا دینے والے سنگین افعال سرزد ہوئے جن پر پردہ پوشی ہی زیادہ مناسب ہے"[1]۔

(7)

لیکن افسوس ہے کہ اس پردہ پوشی میں بھی معاندانہ رنگ اختیار کیا گیا یعنی انگریز مورخین نے اپنی قوم کی سیاہ کاریاں چھپانے میں تو پوری سرگرمی کا اظہار کیا مگر دوسری طرف ہندستانی زیادتیوں کی خوب دل کھول کر تشہیر کی۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم ان مستور اور پوشیدہ واقعات کے رُخ سے نقاب اُلٹ کر ایک فیصلہ کن نظر ڈالیں تا کہ دنیا کے سامنے اس واقعہ کا دوسرا رُخ پیش کیا جا سکے۔ نیز غم و غصہ کی اُس آگ کا اندازہ کیا جا سکے جو اِس وقت تک ہندستانی سینوں میں ہمارے خلاف سُلگ رہی ہے۔ 10 رجون 1857ء کو پشاور میں سرکاری حکم سے پھانسیاں دینے کا واقعہ ہی ایک ایسی روشن مثال ہے جو دنیا کے اطمینان کے لیے کافی ہوگی۔ ایک سو بیس انسانوں کو ایک ناکام مگر قبل از وقت بغاوت کے جرم میں ماخوذ کیا گیا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ سختی کی پالیسی پر عمل کیا جائے جسے مستقبل میں ہمدردی سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ باغیوں کی کثیر تعداد ایسے اشخاص پر مشتمل ہے جو بالارادہ بغاوت پر آمادہ نہیں ہوئے بلکہ ایک عام ہنگامے کے سیلاب میں بہہ کر اُن افعال کے مرتکب ہوئے اور اگرچہ انھوں نے اپنے افسران کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا لیکن انھوں نے اپنے افسران کا خون گرانا پسند نہیں کیا۔ یہی باعث تھا کہ ان کے لیے عفو و رحم کی صدا بھی بلند کی گئی۔ چنانچہ مسٹر نکلسن (Nicholson) نے صاف الفاظ میں مسٹر ایڈورڈز (Edwardos) ڈپٹی کمشنر پشاور سے پلٹن نمبر 55 کے قیدیوں

1- Frank Bright, History of England, Period IV, p.328.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کے متعلق سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس پلٹن کے تمام افسران متفق الرائے ہیں کہ یہ سکھ آخر وقت تک ہمارے حق میں تھے، گو وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت نرمی کے خیالات کو ہٹا کر سختی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔ مگر باایں ہمہ یہی سفارش کروں گا کہ نوجوان رنگروٹوں اور سکھ سپاہیوں کی جان بخشی کی جائے۔ میری رائے میں آپ بیشک باقی باغیوں کو توپ سے اڑا دیں لیکن ایسے نوجوانوں کو جو بمشکل ابھی لڑکپن کی عمر سے گزرے ہیں اور سکھ سپاہیوں کو جو آخر وقت تک مطیع و فرمانبردار رہے ہیں اگرچہ آخر میں انھوں نے لغزش کھائی اور اپنے آپ کو بغاوت کے سیلاب کی نذر کر دیا ہے ضرور رحم کیا جائے۔ اس پر سر جان لارنس (Sir John Lawrence) نے جواب میں لکھا کہ چونکہ یہ ہمارے خلاف لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے ہیں اس لیے کسی قسم کے رحم کے مستحق نہیں۔ بہر حال مزید غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سب کو موت کے گھاٹ اُتارنا نامناسب نہیں ہوگا کیونکہ میرے خیال میں ہمارا یہ فعل خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں منصفانہ نہیں سمجھا جائے گا ایک سو بیس (120) ایک بہت بڑی تعداد ہے جسے ایک ہی وقت میں فنا کر دینا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ ہمارا مقصد اس وقت تو عام طور پر سخت گیری کرنے سے دلوں میں ہیبت اور خوف بٹھانا ہے۔ جو میرے خیال میں نہایت مؤثر طریق پر پورا ہو سکتا ہے اگر ہم ان میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی قیدیوں کو ہلاک کر دیں میرے خیال میں کافی تعداد ایسے قیدیوں کی نکل سکتی ہے جن کے چال چلن مشتبہ تھے یا جنھوں نے اپنے افسران کی علانیہ عدول حکمی کی یا جنھوں نے بغاوت پھیلائی یا بغاوت کے سرغنے تھے وغیرہ وغیرہ۔۔ ایسے تمام مجرمین کو پھانسی کی سزا ملنی چاہیے اور اگر ایسے اشخاص کی تعداد مقررہ تناسب سے کم ہو تو میری رائے میں پھر باقی قیدیوں میں سے تمام پُرانے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سپاہیوں کو منتخب کر کے شامل کر لینا چاہیے۔ ان تمام منتخب کردہ قیدیوں کو یا تو گولی سے مار دینا چاہیے یا توپ سے باندھ کر اڑا دینا چاہیے جیسا کہ اس وقت مناسب سمجھا جائے گا۔ باقی ماندہ مجرمین کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے تین سال سے لے کر سات سال تک کی قید کی سزا دینی چاہیے"[1]۔

لارنس (Lawrence) کی چٹھی دنیا کی ایک ایسی آواز ہے جسے ہم ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ چکے ہیں بلکہ اس کی بین السطور پاکبازی پر اب کوئی یقین نہیں کر سکتا اور اگرچہ چٹھی کے بعض فقروں سے انجیلِ مقدس کی تعلیم کا ایک ہلکا سا پرتو بھی جھلکتا ہے مگر غدر کے بعد کے ہولناک مظالم سے اس کی منافقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ لفٹیننٹ رابرٹس (Roberts) جو بعد میں قندھار کے لارڈ رابرٹس کی حیثیت میں مشہور ہوا۔ پشاور کی متذکرہ صدر پھانسیوں کے بعد جن پر لارنس کی بحث ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اپنی والدہ کو ایک چٹھی میں اِس واقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"ہم پشاور سے جہلم پیادہ پا سفر کرتے ہوئے پہنچے اور راستے میں کچھ "کام" بھی کرتے چلے آئے یعنی باغیوں سے اسلحہ چھینا اور ان کو پھانسیوں پر لٹکایا۔ چنانچہ توپ سے باندھ کر اڑا دینے کا جو طریقہ ہم نے اکثر استعمال کیا ہے اس کا لوگوں پر ایک خاص اثر ہوا یعنی ہماری ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھ گئی یہ طریقۂ سزا اگرچہ نہایت ہی دل خراش منظر ہے لیکن بحالاتِ موجودہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ فوجی عدالت کے حکم سے فی الفور سر قلم کر دیئے جاتے ہیں اور یہی پالیسی اس وقت ہر چھاؤنی میں عمل لائی جاتی ہے"[2]۔

لارڈ رابرٹس کے نزدیک اس "کام" کا مقصد یہ ہے کہ:

1- (Kaye, Book VI Chapter:IV)

2- Letters written during Indian Mutiny. June 1857

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندستان پر حکومت کریں گے''[1]۔

اور ایک اور چٹھی کے دوران ملیں جو اُس نے دسمبر میں اپنی بہن کو لکھی، لارڈ رابرٹس نہایت وثوق سے اس امید کا اظہار کرتا ہے کہ خدا کی عنایت اور اپنے زبردست حلیف کی امداد سے ہم مستقبل قریب میں ایک خوشگوار نتیجے تک پہنچ جائیں گے یعنی اگر خدا نے چاہا تو وسط فروری تک ہم باغیوں کو نیست و نابود کر دیں گے[2]۔

عہد وکٹوریہ کے مذہبی پیشواؤں کی منافقت اور ریاکاری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ایک طرف تو نہایت شدّ و مد کے ساتھ توراۃ کی مفروضہ خونخوار تعلیم کے خلاف نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن ہندستان کے غدر کے ہولناک مظالم کا بہت بڑا ذخیرہ آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے بھی بالکل سکوت اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر پروپگنڈا کر کے رائے عامہ کو مغالطہ دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ طرز زندگی کے فریب و طلسم سے تنگ آ کر انسان حسرت سے اپنے آباواجداد کے زمانہ کی واپسی کی آرزو کرتا ہے۔ یقیناً موجودہ مہذب دنیا کے سیاہ کارنامے دیکھ کر اُس زمانے کا انسان قطعاً کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہ کرتا۔ بالخصوص آج جب کہ ترقی یافتہ اور ہمدرد سوسائٹی میں سلطنت کی بنیاد باہمی محبت اور اخوت قرار دی گئی ہے تو موجودہ سفاکی اور بربریت جس کی قرار واقعی نمائش ہندستان کے غدر کے فرو کرنے میں روا رکھی گئی ہے قیاس سے باہر ہے۔ گزشتہ جنگِ یورپ اگر ان کے زمانہ میں ہوتا تو موجودہ منافقت اور دھوکہ دہی کی جگہ ان کے معتقدات کے اور زیادہ قوی کرنے کا موجب ہوتا۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسیحی انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ چالیس انسانوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا جائے۔ چنانچہ 10/جون 1857ء کے دن چالیس بدقسمت انسانوں کو ممکن سے ممکن اذیت پہنچا

1- Ibid, Letters written 31rst December 1857.

2- Ibid, Letters written 28th December 1857.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کرنہایت ہولناک طریق سے منظرِ عام میں توپوں سے باندھ کراُڑادیا گیا:

''یہاں پر یہ امر خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ نہ تو سر ہربرٹ ایڈورڈز (Sir Herbert Edwardes) نے پشاور کی سرکاری رپورٹ میں اور نہ ہی سر سڈنی کاٹن (Sir Sydney Cotten) نے اپنی مطبوعہ سرگزشت میں اس دردناک سزا کی پبلک نمائش کا کوئی ذکر کیا ہے۔ جب ان ''بہادر'' انسانوں نے اس رنجدہ واقعہ کے بیان سے جھجھک محسوس کی ہے اور اخفا کو ترجیح دی ہے تو میں بھی اس کی مزید تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن جہاں تک اس واقعہ کی تفصیل اور جزئیات سے تعلق ہے وہ نہایت ہی دردانگیز اور ہولناک ہیں اور اس وقت بھی اُس زمانہ کی دستاویزوں کی شکل میں میرے پاس محفوظ ہیں''[1]۔

بہت ہی کم تعداد ایسے انسانوں کی تھی جنھوں نے یا تو ان انسانیت سوز سزاؤں کو دیتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یا دوسروں سے ان کے متعلق سُنا تھا۔ لیکن سب کے سب مسٹر ایڈورڈز اور سر ہنری کاٹن کی طرح خاموش رہے جیسا کہ مسٹر کیوی (Kaye) نے اوپر بیان کیا ہے۔ غدر کو شروع ہوئے ابھی چند ہفتے ہی گزرے ہوں گے کہ ہمارے ہاں کے لوگ اِس حد تک اس خطرے کی ہولناک تفصیلات سے بہرہ اندوز ہو گئے کہ بعد میں اِن واقعات کے بیان کرنے میں نہ صرف اُن کی فطری نازک مزاجی ہی کافور ہو گئی بلکہ وہ ایک قسم کی لذت اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ مثال کے لیے ہم ایک پادری صاحب کی بیوہ کی ایک تحریر کی تصویر پیش کرتے ہیں:

''لڑائی کے اختتام پر بہت سے قیدیوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ اس قسم کی موت کی وہ کوئی خاص پروا نہیں کرتے تو ان میں سے چار آدمیوں کو فوجی عدالت کے حکم سے توپوں سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ چنانچہ ایک روز ایک توپ کے بہت بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے۔ جس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ

1- Kaye, Book VI Chapter: IV

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

بیان دھیمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی۔ دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا یعنی ایک توپ میں اتفاق سے بارود زیادہ بھرا ہوا تھا جس کے چلائے جانے سے بدقسمت ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر فضائے آسمانی میں اُڑا اور تماشائیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہ رَو پر اس زور سے گرا کہ اس کو بھی چوٹ آئی"[1]۔

(8)

توپوں سے باندھ کر اُڑا دینے کی سزا ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلیہ سلطنت سے وراثت میں حاصل کی تھی۔ فرانسیسی جرنیل لالی (Lally) اور مرہٹے بھی اکثر یہی سزا دیا کرتے تھے۔ سزا دہی کا یہ کوئی ایسا بُرا طریق نہیں تھا جسے انھوں نے یہاں پر استعمال کرنا شروع کیا بلکہ عہدِ گزشتہ میں سزا دینے کا کوئی دردناک طریقہ اگر بدن کے رونگٹے کھڑا کر دیتا تھا تو وہ میخیں گرم کر کے مجرموں کو داغنا ہے۔ دماغ پر اس سزا کا ایسا مہلک اثر پڑتا ہے کہ بعض دفعہ تو انسان نواب معین الدین حسن کے بیانات کو جن میں اس دردناک سزا کا ذکر ہے نہ تو پڑھنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی سُننے کے لیے۔ لیکن گورنمنٹ بنگال کے سرکاری کاغذات میں اب بھی بعض ایسی دستاویزیں محفوظ ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز نہایت کثرت سے اس ہولناک سزا کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک انگریز افسر کی چٹھی ابھی تک محفوظ ہے جس میں اٹھارہویں صدی کے آخری دَور کے حالات پر بحث کرتے ہوئے اس دردناک طریقِ سزا کی ذیل کے الفاظ میں مذمت کی ہے:

"آخر کب تک ہم بنی نوع انسان کو اس دلخراش طریق پر گرم سلاخوں پر سُلگتے اور بھنتے دیکھنے کی اذیت برداشت کرتے رہیں گے"۔

بمقابلہ اس کے توپوں سے باندھ کر ہلاک کر دینے کا طریق اس حد تک اذیت رساں

1-Miss Coopland, A Lady's Escape from Gawaliar, p.233.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس وقت دماغ میں ایک فوری رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بس ہم نے اس سزا کے استعمال کو پسند کر کے عملاً اپنے آپ کو بربریت اور سنگ دلی کی اُسی سطح پر کھڑا کر دیا ہے جہاں کہ اِس سے پیشتر ہم شاہانِ مغلیہ کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِن دردناک مناظر کی تصاویر تیار کر کے انگلستان اور دیگر ممالک میں تقسیم کی گئیں جس میں انگریزوں کے ہاتھوں ہندستانیوں کو توپوں کے ساتھ بندھے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اِن تصاویر نے انگلستان میں وہی اثر کیا جو اِس سے پیشتر ماسکو کی پبلک کے دلوں پر ہوا تھا۔ جب رُوسیوں کے ہاتھوں پولینڈ والوں کے قتل عام اور پھانسیوں کے دردناک مناظر کی تصاویر اُن کے سامنے لائی گئی تھیں۔ یقیناً مہذب دنیا ایسی دردناک سزاؤں کو وحشیانہ جذبات کی نمائش سے تعبیر کرے گی۔ لیکن دوسری طرف نتیجہ یہ نکلا کہ سرحد کے وحشی اور غیر مہذب قبائل جو عام طور پر خونریزی اور ہلاکت کے مناظر کو دل بستگی اور تفریح کا سامان سمجھتے چلے آئے ہیں، ہماری اِن سیاہ کاریوں سے حد درجہ بددِل ہوئے۔ چنانچہ اِس ذہنیت کی تبدیلی کا نقشہ ایک مؤرخ نے ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے۔

> ''جب انھوں (سرحدی اقوام) نے ہماری جیسی مہذب اور شائستہ قوم کو متانت اور سنجیدگی کے ساتھ وحشت اور بربریت کے اُن تمام مکروہ افعال کے مرتکب ہوتے ہوئے دیکھا جو ایک فوجی پریڈ کی باضابطگی کے ساتھ عمل میں لائے جاتے تھے تو ہمارے متعلق برتری اور بڑائی کے تمام عقیدت مندانہ خیالات اُن کے دلوں سے جاتے رہے''[1]۔

اِس سے بہت عرصہ پہلے نکلسن (Nicholson) جسے ہم اپنے بچپن کی خیالی دنیا میں ایک نڈر دیوتا کی حیثیت سے یاد کیا کرتے تھے، نیز جسے ناول نویس کے مفروضہ انگریزی کیرکٹر کی ''متانت وشجاعت'' کی شہرت بھی مل چکی تھی وہی نکلسن مسٹر ایدورڈز (Edwardes) کو خط لکھتے ہوئے یوں رقم طراز ہوتا ہے کہ:

1- Kaye, Book VI Chapter IV

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''دہلی میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کے خلاف ہمیں ایک ایسا قانون پاس کرنا چاہیے جس کی رُو سے ہم اُن کو زندہ ہی جلا سکیں یا زندہ ان کی کھال اُتار سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دے کر ان کو فنا کے گھاٹ اُتار سکیں۔ ایسے ظالموں کو محض پھانسی کی سزا سے ہلاک کر دینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کیے دیتا ہے۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ کاش میں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشے میں چلا جاؤں جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں حسب ضرورت سنگین انتقام لے کر دل کی بھڑاس نکال سکوں''[1]۔

اِس دستاویز میں آگے چل کر وہ انتقام کی آگ کو فرو کرنے کے لیے مفروضہ مذہبی تعلیم تک کو دلیل کے طور پر پیش کرنے سے نہیں چوکتا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''بچوں اور عورتوں کے قاتلوں کو اذیت دینے کے سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی ایذا دہی کے طریقے مناسب اور صحیح نہ بھی ہوں، پھر بھی ہمیں اِن طریقوں کو بالضرور استعمال کرنا چاہیے کیونکہ یہاں پر اس قسم کے انتقام لینے کے طریقے رائج ہیں۔ دوسری طرف انجیل مقدس میں بھی یہ حکم ہے کہ مجرموں کے اعمال کی مناسبت سے سزا دی جائے گی۔ بنا بریں کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نرم سزا پر اکتفا کیا جائے۔ اگر ایسے قاتلوں کے حق میں پھانسی کی سزا کافی سمجھی جائی گی تو میرے خیال میں معمولی باغی تو اُن سے بدرجہا معمولی سزا کے مستحق ہیں۔ اگر میرے بس میں ہو باوجود اِس امر کے کہ مجھے پہلے ہی یہ بتا دیا جاتا کہ میری موت کل واقع ہونے والی ہے، پھر بھی میں اِن بدبختوں کو ایسی شدید ایذائیں دے کر ہلاک کرتا جہاں تک کہ میرا دماغ یاوری کرتا''[2]۔

لیکن نکلسن کی چٹھیاں ایسی دماغی کوفت کی حالت میں قلمبند کی گئی ہیں جب کہ مسلسل وپیہم

1- Kaye, Book VI. Ch:I 2- Kaye, Book VI, Ch:I

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

دردناک حوادث کی اطلاعات نے متانت سے غور کرنے کی طاقت کو بیکار کر دیا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ مکروہ اور مذموم خیالات ایک ایسے شخص کی طرف سے ظاہر کیے گئے ہیں جس کے متعلق ہمیں بتایا گیا ہے کہ اُس وقت تمام عیسائی قوم میں اُس سے بہتر عالی دماغ اور نیک نفس انسان نظر نہیں آتا تھا۔ یہ الفاظ اُن ہدایات کے سلسلے میں ظاہر کیے گئے تھے جو مسٹر ہنری ٹکر (Henry Tucker) کمشنر بنارس کے نام جاری کی گئی تھیں:

''تمھاری طبیعت چونکہ فطرتاً نرم واقع ہوئی ہے اس لیے بحالاتِ موجودہ میں سخت متفکر ہوں لیکن آپ کو واضح رہنا چاہیے کہ اس قسم کے تمام رقیق جذبات واحساسات کو مطلقاً خیر باد کہنا ہوگا۔ آخر مجسٹریٹوں کو بے فائدہ طور پر تلوار کو بے نیام کرنے کے لیے حکم نہیں دیا گیا۔ نیز واضح رہے کہ خدائی قانون بھی ایک انسانی جان کے ضائع کرنے کی پاداش میں قاتل کے لیے کسی قسم کی رعایت نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں مشرقی ممالک کا تو یہ خاصہ ہے کہ یہاں پر محکوم کے دل میں حاکم کا رُعب ودبدبہ ہمیشہ زندہ رکھا جائے کیونکہ ایسے ہی حالات کے زیرِ اثر محکوم کے زاویۂ نگاہ میں ایک گونہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اور وہ حکومت کی موجودگی کو اپنی بقا کے لیے پسندیدہ خیال کرتا ہے''[1]۔

امریکن مؤرخ ایمرسن (Emerson) 1856ء میں انگریزوں کے مذہبی جذبات پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''انگلستان کی حکومت نے عام طور پر توراۃ کی مفروضہ دُرشت تعلیم کو اپنا شعار بنالیا ہے یہاں تک کہ انجیل کا تو پہلا صفحہ تک اُلٹ کر نہیں دیکھتی''[2]۔

کُوپر (Cooper) ڈپٹی کمشنر امرت سر غدر کے شروع ایام میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے جس پر کہ اُس نے خود بھی سختی سے عمل کیا تھا، فخریہ طور پر اس طرح بیان کرتا ہے کہ

1- Kaye, Book VI. Ch:I 2- English Traits, XIII Religon.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پنجاب کے حکام نے تو اس اصول پر عمل کیا ہے کہ ایسے حالات میں ابتدا ہی میں اس قسم کی وحشیانہ سختی سے جواب دیا جائے کہ انتقام کا تصور بھی فریق مخالف کو لرزہ براندام کر دے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''مسٹر مونٹ گمری (Mont Goomery) کے حکم سے پنجاب میں بھی جہاں کہ عام طور پر لوگ ابھی تک وفادار ہیں، ایک سکھ پلٹن کے صوبیدار، سوار پولیس کے رسالدار اور ایک داروغہ جیل کو ''فرض کی کوتاہی'' کے الزام میں پھانسی پر لٹکانا ضروری سمجھا گیا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بخوبی ذہن نشیں ہو جائے کہ پنجاب کے حکام بہر حال ابتدا ہی میں ''بلا توقف متشددانہ کارروائی'' کرنے کی پالیسی سے لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ صرف یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے اس ''نیم وحشی ملک'' میں وقار قائم رکھا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ایک سخت پالیسی کا مقصد یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ حکومت رعایا سے ''غیر مشروط اور غیر مبہم وفاداری'' کی متوقع ہے، نہ کہ رعایا کی اخلاقی بُردباری کے بھروسا پر جو کہ ایک حد تک گورنمنٹ کے استقلال کی شکست کے مترادف ہے''[1]۔

جن اذیتوں کو دینے کی آرزو کا اظہار نکلسن (Nicholson) نے نہایت بے چینی سے کیا تھا ان کے پورے ہونے میں کچھ زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مسٹر موبرے تھامسن[2] (Mobrey Thompson) نے بعض قیدیوں کی دردناک سرگزشت جن کو اس نے خود قید کیا تھا، سر ہنری کاٹن (Henry Cotton) کو ذیل کے الفاظ میں سنائی:

''شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمے میں آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا۔

1- The Crisis in the Punjab, p.151,152.

2۔ مسٹر موبرے تھامسن اُن چند نفوس میں سے تھے جو حادثہ کانپور سے صحیح وسلامت بچ کر نکل آئے تھے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ ہم نے قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں قیدیوں کے ساتھ زیادتی نہ کی گئی ہو۔ میں فوراً لپک کر اُن کے خیمے میں گیا جہاں پر میں نے اُن بد بخت مسلمانوں کو عالمِ نزع میں بے حال دیکھا یعنی مُشکیں باندھ کر برہنہ اُن کو زمین پر لٹایا ہوا تھا اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا تھا۔ اس روح فرسا نظارے کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ہی اُن کے حق میں مناسب سمجھا۔ سر ہنری کاٹن نے جب حیران ہو کر یہ سوال کیا کہ اس کے بعد کیا کیا گیا تو جواب یہ ملا کہ کچھ بھی نہیں"[1]۔

یہاں پر قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کچھ کیا جاتا؟ کسی واقعہ کو زیادہ عرصے تک حافظہ میں محفوظ رکھنے کی صلاحیت مشرقی دماغ کو فطرۃً کسی قدر زیادہ نصیب ہوئی ہے۔ حالانکہ انگریز قوم کا حافظہ اس کے مقابلہ میں اتنا تیز نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہم دوسری قوموں کی قوت حافظہ پر حیرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ وہ کس طرح ساٹھ سال پہلے کی پھانسیوں یا گولیوں کے ذریعے ہلاکت کے واقعات کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ حیرت و استعجاب سکھ قوم کی قوتِ یادداشت پر ہوتی ہے جن کے آبا و اجداد کو شاہانِ مغلیہ کے ہاتھوں دردناک مظالم سے جان دیے ہوئے اگرچہ ڈیڑھ سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے لیکن اُن کی تلخ یاد ابھی تک اُن کے سینوں میں تازہ ہے جس کا پورا انتقام اُنھوں نے غدر میں مسلمانوں سے لیا ہے یعنی وہ نہایت وحشیانہ مسرت کے ساتھ غدر کے ہنگامے میں دہلی کے برخلاف اپنا بدلہ لینے کے لیے ہمارے مددگار کے طور پر شریک ہوئے۔ چنانچہ ایک عینی شاہد بیان کرتا ہے کہ کس طرح

1- Cotton, Indian and Home Memories, p.143.

نوٹ: ہر ایک سپاہی کو سزا دیتے وقت بغیر کسی قسم کی تحقیقات کرنے کے فرض کر لیا جاتا تھا کہ اس نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سکھوں اور انگریزوں نے ایک مسلمان قیدی کے چہرہ کو بار بار سنگینوں سے زخمی کر کے زندہ ہلکی آگ میں جلا دیا۔

''بدنصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکل کر آس پاس کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی۔ اُنیسویں صدی میں جب کہ تہذیب اور شائستگی پر ناز کیا جاتا تھا، ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک انسان نہایت وحشیانہ طریق سے زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہے اور سکھ اور یورپین نہایت اطمینان اور متانت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر ارد گرد کھڑے دیکھ رہے ہیں گویا کہ وہ ایک تفریح کا سامان تھا۔ کوئی شخص اِس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خواہ بدقسمت قیدی کے مفروضہ جرائم کتنے بھی سنگین کیوں نہ ہوں، پھر بھی موجودہ سفاکانہ اور دردناک سزا کے بھگتنے کے بعد یقیناً اس نے اپنے گناہوں کی قرار واقعی پاداش اٹھا لی ہے''۔[1]

ٹائمز آف انڈیا اخبار کے فوجی نامہ نگار مسٹر رسل (Russel) نے بھی اِس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''چند دنوں کے بعد میں نے اُس شخص کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اُسی میدان میں پڑا ہوا پایا''[2]۔

دنیا کے تمام دیگر ممالک کے مقابلہ میں میرے ملک کا دامن اِس قسم کے صریح مظالم سے یکسر پاک ہے۔ انسانی تاریخ اگرچہ افسردگی سے بھری پڑی ہے لیکن بہرکیف ہم اس امر کا اعلان کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگرچہ ہم سے بھی کبھی کبھی زیادتیاں ہوئیں پھر بھی ہم شاذ ہی خونخوار درندے ثابت ہوئے۔ یہ حادثہ ہماری سرگزشت میں بالکل مستثنیٰ حیثیت رکھتا ہے لیکن غدر بھی تو اپنی نوعیت کی ایک ممتاز تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی حقوق کی محافظت میں سب سے پہلی کمزور

---

1 - Ltt. Majendie, "UP Among the Pandies. p.187.

2 - My Diary in India in the year 1858,1859,p.301,302.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

آواز جس نے دنیا کو ان وحشیانہ مظالم سے روشناس کر کے روکنے کی کوشش کی وہ ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر ڈی لین (Delean) کی تھی جو آئرلینڈ کے رہنے والے ہیں۔ چنانچہ اپنے ایک آرٹیکل میں اس نے لکھا کہ:

''زندہ مسلمانوں کو سُور کی کھال میں سینا یا پھانسی سے پہلے اُن کے جسم پر سُور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا ہندستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں۔ ایسی مکروہ اور منتقمانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ہماری گردنیں شرم اور ندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقیناً ایسی حرکات عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہیں جن کا کفارہ لازمی طور پر ہمیں بھی ایک دن ادا کرنا پڑے گا۔ اس قسم کی دردناک جسمانی اور دماغی سزاؤں کے دینے کا ہمیں مطلقاً کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہم یورپ میں ایسی سزائیں دینے کی جرأت کر سکتے ہیں''۔[1]

یہاں پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس طرح ہماری قوم نے غدر کے متعلق تمام مفروضہ بیانات کو بغیر تحقیقات اور تجسس کے صحیح تسلیم کر لیا۔ یہ تمام واقعات دنیا کے دوسرے گوشوں میں ہم سے بہتر طریق پر پہنچے جس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم نے پولینڈ اور آرمینیا کے باشندوں کو مصائب اور تباہی سے بچانے کے لیے نہایت دیانتداری سے آواز بلند کی تو یورپ نے کسی قدر سرد مہری سے اس آواز کو سُنا اور قرار واقعی متاثر نہ ہوا۔ چنانچہ ٹائمز کا نامہ نگار اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''دنیا کی دیگر اقوام ہمارے خارجی معاملات کا بغور دلچسپی سے معائنہ کر رہی ہیں۔ اگرچہ خشکی اور سمندر کی ایک بہت بڑی مسافت اُن کے اس ارادہ میں حائل ہے۔ پھر بھی ایک فرانسیسی جرنیل نے ہمارے افسران کے بعض مفروضہ مظالم کے

1- Russel, Diary, ii, p.43 (May 1858)

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

خلاف سر کولن (Sir Collen) کو ایک چٹھی کے ذریعے احتجاج کیا۔ لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری گورنمنٹ ایک باغی کے فیصلہ میں خون گرانے سے قطعاً کوئی گریز نہیں کیا کرتی"[1]۔

(9)

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی اور دعوے مسیحیت کی چیخ و پکار کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اور اپنی عزت و وقار برقرار رکھنے کے لیے ہماری قوم نے ایسا عملی قدم بھی اٹھایا ہے یا نہیں؟ تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ہاں اس قسم کی ایک کوشش تو ضرور کی گئی جو اگرچہ ناکام رہی لیکن پھر بھی ایسی شرمناک حرکات سے بیزاری کا اعلان ہماری قومی عزت کے تحفظ کے سلسلے میں آج بھی روزِ روشن کی طرح درخشاں ہے۔ 31/جولائی 1857ء کو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے ہندستان میں مفصل ہدایات جاری کی گئیں کہ غیر معین طریق سے دیہات کو آگ لگانا فی الفور بند کر دیا جائے اور مجسٹریٹوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر مسلح آدمیوں کو فوج سے بھاگے ہوئے سپاہی سمجھ کر ہرگز کوئی سزا نہ دیں۔ بہت سی ایسی سول عدالتوں سے موت اور عمر قید کے اختیارات واپس لے لیے گئے کیونکہ ان کا استعمال نہایت بیدردی سے کیا گیا تھا۔ 28/اگست کو مسٹر جان گرانٹ (John Grant) کو وسط ہند کا گورنر اس لیے مقرر کیا گیا تا کہ وہ الہ آباد اور دوسرے مقامات پر بے تحاشا پھانسیوں کے سلسلے کو بند کر دیں۔ باوجود اِس امر کے کہ ایک کثیر طبقے کی طرف سے وائسرائے اور مسٹر گرانٹ کی شدید مخالفت کی گئی۔ یہاں تک کہ تعریض کے طور پر "پھانسیوں کے روکنے والا گرانٹ" (Anti Hangman Grant) اور "رحم دل کیننگ" (Clemency Canning) وغیرہ نام دے کر اُن کی ہنسی بھی اُڑائی گئی۔ پھر بھی اِس مخالفت کی کوئی پروانہ کی گئی۔ جب اگست میں انگریزی فوج ہندستانی دیہات جلانے کی مہم سے واپس آ رہی تھی تو راستے میں انھوں نے وفادار سپاہیوں کی ایک جماعت کو بلاوجہ گولیوں

1- Russel, i, p. 221,222.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اور سنگینوں کا نشانہ بنا دیا۔ چنانچہ انتقام کے اِس خوفناک مظاہرے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا نے اس واقعہ کو ''جنگلی یا وحشی انصاف'' سے تعبیر کیا۔ لیکن جنرل آوٹریم (Outram) کی رائے میں یہ واقعہ ''معصوم انسانوں کا سنگ دلانہ قتل'' تھا۔ چنانچہ ستمبر میں جنرل آوٹریم گرانٹ کو ایک مراسلہ میں ذیل کے الفاظ لکھے:

''موجودہ وقت اس امر کا مقتضی ہے کہ کھلے طور پر یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہم اِس قتل وغارتگری کے بالکل خلاف ہیں تا کہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے کہ ہمارا منشاء ہندستانیوں کو نیست و نابود کرنے کا نہیں یا ہم سپاہیوں کے محض اِس بنا پر مخالف نہیں کہ وہ سپاہی ہیں''۔

غدر کے اختتام کے ایک مہینہ بعد ٹائمز کی رائے میں:

''شاید ہی چند انگریز ایسے ہوں جو میدانِ جنگ میں سپاہیوں کی ہلاکت کو باغیوں کی وحشیانہ حرکات کے مقابلہ میں کافی سمجھتے ہوں''[1]۔

لیکن اس کے چند ہی ماہ بعد اس اخبار کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ گورنمنٹ کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ قتل و غارت کے سیلاب کو روکنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار نہیں کی گئیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''سپاہیوں کو بے دریغ قتل کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدراس اور بمبئی کی فوجوں میں بغاوت پیدا ہو جاتی''[2]۔

بہت ممکن ہے کہ ان مقامات پر بھی بغاوت ہو جاتی لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں تو کوئی کلام نہیں کہ سپاہی اس حد تک خوف زدہ ہو گئے تھے کہ اوّل تو انھوں نے فوجوں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ پھر باغیوں میں شامل ہو کر ہمارے مقابلے میں انتہائی مشکلات پیدا کرنے میں پورا

1- 21rst October 1857 (Montgomery Martin)

2- 6th February 1858. (Montgomery Martin)

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

زور صرف کر دیا جو ہمارے لیے بے حد تکلیف دہ ثابت ہوا۔ باایں ہمہ ان پر کسی قسم کے رحم کا اظہار نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ایک ماتحت افسر کی چٹھی جو اس نے انگلستان میں اپنی بہن کو لکھی، متذکرہ صدر سلوک پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''تمھیں ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں سپاہیوں یا اُن بدمعاشوں پر جنھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کرنے میں حصہ لیا کبھی کسی قسم کے رحم کا اظہار کرتا ہوں۔ برخلاف اس کے غالباً چند آدمی ایسے نکلیں گے جو میری طرح بے رحم اور سنگدل ہوں۔ قیدی کے سامنے آتے ہی پھانسی دینے کے لیے سب سے پہلے میری آواز بلند ہوتی ہے''[1]۔

کُوپر (Cooper) ہمیں بتاتا ہے کہ:

''قیدیوں کی دائمی نجات کا راستہ نہایت آسان تھا یعنی باغیوں کو دیکھ کر فی الفور نکلسن کا نعرہ "A'La Lantaine" یعنی ''پھانسی پر لے چلو'' بلند کیا جاتا تھا''[2,3]۔

ایک پادری کی بیوہ جس کا خاوند غدر میں قتل کر دیا گیا تھا، نہایت فاتحانہ انداز میں لکھتی ہے کہ:

''جب بہت سے باغی گرفتار کر کے لائے گئے تو انھیں حکم دیا گیا کہ وہ گرجے کے فرش کو صاف کریں۔ مگر باوجود یکہ یہ لوگ اس قسم کا کام اپنے مذہبی معتقدات کے

1- Roberts. Letter dated 20th February 1858.

2- The Crisis in the Punjab, p. 149.

3۔ فرانس کی مشہور بغاوت کے زمانہ میں جب فرانسیسی جمہوریت کے مخالفین گرفتار کیے جاتے تھے تو عام طور پر چاروں طرف سے شور و غوغا بلند کیا جاتا تھا کہ ان کو لالٹین یا لیمپ کے پاس لے چلو۔ جس کے نیچے دیوار پر پھانسی کی رسیاں لٹکتی تھیں۔ ہندستانی باغیوں کو دیکھ کر انگریز افسران اور سپاہی بھی یہی نعرہ بلند کیا کرتے تھے یعنی بغیر کسی تحقیقات کے فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ (مترجم)

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

خلاف سمجھتے تھے۔ پھر بھی سنگین کی نوک سے انھیں اس حقیر کام کے کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اُن میں سے بعض آدمیوں نے نہایت پھرتی سے اِس کام کو سرانجام دیا محض اس خیال سے کہ شاید پھانسی کی سزا سے بچ جائیں گے لیکن بے سُود کیونکہ وہ سب کے سب پھانسی پر لٹکا دیے گئے"[1]۔

مجینڈی پھر لکھتا ہے کہ:

"وہ رات ہم نے جامع مسجد پر پہرہ دیتے ہوئے بسر کی اور ہمارا زیادہ تر وقت ان قیدیوں کو گولی سے اُڑا دینے یا پھانسی پر لٹکانے میں گزرتا تھا جن کو ہم نے صبح کے وقت گرفتار کیا تھا۔ ان میں سے بہت سے بیچارے تو اسی جگہ ختم ہو گئے لیکن آخر وقت تک اُن کے چہروں سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے جو اس سے کسی بڑے مقصد کے شایان شان علامات تھیں"[2]۔

دہلی پر قبضہ کرنے سے پیشتر ایک افسر نے لکھا کہ:

"باغی ہتھیار رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر موت کی سزا ملنی یقینی ہے اور نہ ہی اس کے سوا انھیں اور کوئی امید رکھنی چاہیے تھی"[3]۔

میجر ریناڈ (Renaud) کو جب وہ ہراول فوج کا ایک دستہ لے کر کانپور کے محصورین کی امداد کے لیے روانہ ہو رہا تھا، ذیل کی ہدایات جنرل نیل (Neill) کی طرف سے موصول ہوئیں:

"بعض دیہات کو ان کی مجرمانہ حرکات کی بنا پر عام تباہی کے لیے منتخب کر دیا گیا ہے جہاں کی تمام مرد آبادی کو قتل کر دینا ہوگا۔ باغی رجمنٹوں کے تمام ایسے سپاہی فی الفور پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں جو اپنے چال چلن کے متعلق اطمینان بخش ثبوت بہم

1- A Lady's Escape from Gawaliar, p.243. 2- p.205

3- Times, 24th October 1857 Montgomery Martin.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نہ پہنچا سکیں۔ قصبہ فتح پور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لے کر تہِ تیغ کر دیا جائے کیونکہ اس قصبہ نے بغاوت میں حصہ لیا ہے۔ باغیوں کے تمام سرغنوں اور بالخصوص فتح پور کے تمام سرغنوں کو فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اگر وہاں کا ڈپٹی کلکٹر قابو میں آجائے تو اُسے وہیں پھانسی دے دی جائے اور اُس کے سر کو کاٹ کر وہاں کی سب سے بڑی عمارت پر لٹکایا جائے''[1]۔

بیگم اودھ نے 1858ء میں نہایت ہی مایوسانہ وقار کے ساتھ اپنے ایک اعلان میں لکھا کہ:

''کسی شخص نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ انگریز نے کبھی کسی مجرم کو معاف کیا ہو''[2]۔

آخر کار اس مسلسل اور بے تحاشا قتل و غارت کو روکنے کے لیے نہ صرف لارڈ کیننگ بلکہ جان لارنس نے بھی پوری کوشش کی اور مسٹر ڈزرالی (Desraeli) وزیر اعظم انگلستان نے تو پہلی دفعہ اس دردناک واقعہ کے متعلق جرأت کے ساتھ اظہارِ خیال کیا اور اس وقت جب کہ وحشیانہ جذبات کی نمائش خوب دل کھول کر ہو رہی تھی۔ مسٹر موصوف نے ذیل کے الفاظ میں اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اعلان کیا جو کسی غیر ملکی قوم کے افعال کے خلاف نکتہ چینی نہیں تھی بلکہ اپنی ہی قوم کی دیوانگی اور بربریت کے خلاف آواز تھی:

''جنگ کی تباہ کاریاں کسی تحریک کی شرمندہ نہیں ہوا کرتیں۔ چنانچہ جو تباہی اور بربادی اس وقت ہندستان میں لڑائی کی وجہ سے رونما ہو رہی ہے اُس کے لیے کسی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ ہماری بری اور بحری فوجیں ایسا شدید انتقام لیں گی جس کو دیکھنے کی تاب بھی کوئی انسان مشکل سے لا سکے گا۔ اندریں حالات جہاں تک میری عاجزانہ رائے کا تعلق ہے، میں بلا توقف اس

1- Kaye, Book V Chapter ii. 2- Rise of Progress of the Indian Mutiny, chapter XXVI, Montgomery Martin.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پالیسی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک تمام ذمہ دار افسران کا یہ فیصلہ نہایت ہی مکروہ ہے کہ آئندہ کے لیے انگلستان اپنے معاملات اور مناقشات کے تصفیہ کے وقت انصاف سے آنکھیں بند کر کے انتقام کو ہی اپنا اصول قرار دیدے۔ میں ایک منٹ کے لیے اس اصول کو پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا کہ آئندہ سے ایک انگریز بھی نانا صاحب جیسا ظالم وسفاک کہلایا جائے۔ میرے نزدیک یہ نہایت ہی ناپسندیدہ پالیسی ہے کہ ظلم کے مقابلے میں ویسا ہی ظلم روا رکھا جائے۔ کچھ عرصہ سے ایسی ہولناک اطلاعات سُننے میں آئی ہیں جن سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غالباً اس زمانہ میں میری قوم کے مذہبی معتقدات میں زبردست تبدیلی واقع ہوگئی ہے یعنی میری قوم اب جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے منحرف ہو رہی ہے اور اس کی بجائے پُرانے یونانی دیوتا مولوک (Moloch) ''قتل وغارت کا دیوتا'' کی پرستش کی رسم کو از سرِ نو زندہ کرنے والی ہے''۔[1]

لارڈ کیننگ اپنے ایک مراسلہ میں جو ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، یورپین قوم کی طبائع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہماری قوم کے دماغ میں ایک عالمگیری دیوانگی اور انتقام کا جذبہ موجزن ہے۔ چنانچہ اس میں وہ بزرگ بھی شامل ہیں جن سے بہتر طرزِ عمل کی توقع تھی۔ ایسی گری ہوئی ذہنیت کو دیکھ کر ناممکن ہے کہ ان کے ہم قوم ساتھیوں کی گردنیں ندامت اور شرمندگی سے نہ جھک جائیں کیونکہ ہر دس آدمیوں میں سے ایک بھی تو ایسا دکھائی نہیں دیتا جو چالیس یا پچاس ہزار انسانوں کے بیدریغ قتل و پھانسی کو ضروری اور صحیح نہ سمجھتا ہو۔''

1- Life, by Buckle, IV ,p.98,99. speech at Newport Pagnel, 30-9-1857.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

جس کا جواب ملکہ معظمہ نے ذیل کے الفاظ میں دیا:

''لارڈ کیننگ نہایت آسانی سے یقین کریں گے کہ نہ صرف ان غیر مذہبی افعال کے ارتکاب سے جن کا اشارہ لارڈ موصوف نے اپنے مراسلہ میں کیا ہے بلکہ عام طور پر جس سرد مہری کا اظہار ہندستانی حوادث کو پس پشت ڈال کر انگلستان کی پبلک نے دیا ہے۔ ملکہ معظمہ دلی بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور لارڈ موصوف کے ساتھ دلی رنج اور افسوس کے احساسات میں برابر کی شریک ہے''۔

لیکن بدقسمتی سے لارڈ کیننگ اپنے جذبات کو عملی جامہ پہنانے میں ہمیشہ کمزور ثابت ہوئے۔ یعنی ان کے افعال ہمیشہ ان کے اعلیٰ جذبات کے مطابق نہیں ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ فوجی عدالتوں اور اسپیشل کمشنروں کے تشدد اور ظلم کا ذکر کرتے ہوئے سر جارج کیمپبل (Sir George Campbell) لکھتا ہے کہ:

''میں نے متعدد دفعہ مارشل لاء کا ذکر سنا ہے اور اکثر دفعہ طاقتور لوگوں کو اس کے نفاذ کی ضرورت کا مطالبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن میں آج تک اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ سوائے اس کے کہ ایک فوجی سپاہی کو اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے جان سے ہلاک کر دے یا کسی کی جائداد پر قبضہ کر لے یا ایسا ہی کوئی اور ظلم روا رکھے جو اس کے دماغ میں آئے۔ میرے نزدیک تو مارشل لاء یا فوجی قانون کے یہی معنی ہیں۔ اگرچہ صاف طور پر الفاظ میں اس کی تشریح نہیں کی جاتی۔ چنانچہ جب 6/جون 1857ء کو لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے بعض صوبوں میں مارشل لا جاری کرنے کا اعلان کر دیا تو اس کے بعد حکومت کا یہ فرض تھا کہ آنکھیں کھول کر ان خطرناک انجمنوں کے استعمال کی پوری پوری نگرانی کرتی مگر افسوس کہ اس طرف کوئی دھیان نہیں کیا گیا۔ یہ ایک ایسی انتظامی نا قابلیت ہے جو کبھی بھی معاف نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ ذاتی خوبیوں اور اعلیٰ کیرکٹر کے لحاظ سے لارڈ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کیننگ کی شخصیت ہر ستائش اور تعریف کی مستحق ہے۔ بااین ہمہ اس غفلت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ رحم اور انصاف کے اعلیٰ اصول تو ایک ردّی کاغذ کی حیثیت سے ایک طرف ڈال دیے گئے اور اُن کی جگہ فوجیوں نے خوب دل کھول کر نہایت ہی وحشیانہ طریق پر بے دریغ خون کی ندیاں بہائیں۔ یہاں تک کہ اس تمام مکروہ طرزِ عمل میں فوجی قانون کو نمائشی استعمال بھی نہیں کیا گیا''[1]۔

باغیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قتل و غارت کا جو بازار ہم نے گرم کیا تھا، اس میں نہ تو فوجی سپاہیوں کی کوئی تمیز روا رکھی گئی اور نہ ہی اَودھ کے غریب باشندوں کی۔ چنانچہ سر جارج کیمپبل اس پر بحث کرتے ہوئے ایک نیا سوال پیش کرتا ہے کہ:

''اگرچہ یہ صحیح ہے کہ باغی سپاہیوں پر ایک قسم کا جنون مسلط تھا۔ لیکن پھر بھی وہ انسان تھے اور ہمارے نمک خوار ہوتے ہوئے بھی ہمارے خلاف نہایت وحشیانہ طریق سے بغاوت پھیلائی اور لڑائی کی۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں جب بغاوت کی آگ چاروں طرف سے پھیل چکی تھی اور ہماری طاقت بھی بظاہر کمزور نظر آتی تھی تو ایسے وقت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ہندستان کی تمام رعایا ہمارے ساتھ وفادار رہے گی۔ درآنحالیکہ وہ ہماری ہم قوم بھی نہیں تھی۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اُن تمام اشخاص یا جماعتوں کو اخلاقی طور پر مجرم سمجھیں جنھوں نے یہ سمجھ کر اب ہمارا چراغِ حکومت ٹمٹما رہا ہے، اپنے تحفظ کے لیے علاحدہ انتظام کرنا شروع کر دیا۔ حیرت تو یہ ہے کہ ایسے نازک حالات سے بہت کم لوگ کیوں متاثر ہوئے۔ یہ صحیح ہے کہ غدر کے اعلان کے بعد سپاہیوں نے ہر اُس انگریز کو جو اُن کے ہتھے چڑھا، بے دریغ قتل کر دیا یعنی مشکل سے کوئی ایسا خاص واقعہ نظر آئے جہاں کوئی خوش قسمت انگریز باغی سپاہیوں کے ہاتھ سے بچ

1- Memories of my Indian Career, I, p.232.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نکلا ہو۔ اس کے مقابلہ میں سول رعایا نے عام طور پر ہمارے آدمیوں کو پناہ دی اور اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈال کر انگریزوں کی جان بچانے میں امداد کی۔ شاید ہی کوئی ایک آدھ ایسا واقعہ ملے جہاں سول رعایا کے ہاتھوں کوئی انگریز قتل کیا گیا ہو"[1]۔

سر جان کیمپبل کے مقابلہ میں ایک معمولی دماغ کے انگریز افسر کو بھی یہی خیال سُوجھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

"میرے خیال میں اس لڑائی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلہ میں معصوم اور بے گناہ انسانوں کو زیادہ اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ چنانچہ بُزدل باغیوں کے ہاتھ بے گناہ عورتوں اور بچوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے اور اودھ کے غریب و دیہاتیوں کے درمیان انتقام لیتے وقت کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ اگرچہ مؤخرالذکر کے خلاف بھی کسی قدر ناانصافی یا کوٹ مار کا شبہ کیا جاتا تھا۔ پھر بھی یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ وہ بغاوت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ اُن کے خلاف یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے بغاوت سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ اب رہا یہ امر کہ ان کا یہ طرزِ عمل درست تھا یا غلط۔ تو یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ انھوں نے تو اپنے تئیں حق بجانب سمجھ کر اپنے وطن کو آزاد کرنے کے لیے کوشش کی۔ اس لیے ہم اس جذبے کو تو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ ہمارے حق میں یہ زیادہ مفید اور تسلّی بخش ہوتا اگر ہم سپاہیوں کو چھوڑ کر اودھ کے باشندوں کی جان بخشی کر دیتے اور ایسی دردناک سزائیں نہ دیتے"[2]۔

1- Memories of my Indian Career,I, p.233.

2 - Majendie, p.195.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ذیل کے مضمون میں مسٹر رسل (Russel) اس سوال کی مزید وضاحت اس طرح کرتا ہے کہ:

''یا تو یہ صرف فوجی بغاوت تھی اور یا سپاہیوں کے بغاوت کرنے کے بعد عام لوگوں نے کم و بیش اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اگر ہم اس کو فوجی بغاوت تسلیم کرتے ہیں تو پھر یہ صریح ناانصافی اور زیادتی تھی کہ سول رعایا کو محض اس جرم پر کہ انھوں نے سپاہیوں کی امداد کیوں کی، جرمانے اور پھانسی کی شدید سزائیں دی گئیں۔ حالانکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کی شمولیت کو کبھی بھی ارادۃً نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ جبریہ امداد شمار کی جائے گی۔ دوسری طرف اس جرم پر سول رعایا کو ہولناک سزائیں دینا کہ انھوں نے نہتے ہونے کے باوجود مسلح باغی سپاہیوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے یہ ایک فاش غلطی ہے۔ محض ہمدردی کا اظہار کسی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں بن جاتا۔ چنانچہ اس طرح بے دریغ سزائیں دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندستانیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرت و بغض کے جذبات پیدا ہو جائیں جو آخر کار ترقی کر کے نسلی منافرت کی شکل اختیار کر لیں گے۔ باغیوں کو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے فنا کے گھاٹ اُتارنا کبھی بھی زیادتی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ دشمن کو ہمیشہ کھلی لڑائی ہی میں ختم کرنا چاہیے یقیناً ہمیں اُن سنگ دل دغے بازوں کو بے دریغ قتل کرنا چاہیے۔ جنھوں نے اپنے افسروں کو قتل کر کے ان کے بچوں اور عورتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا تھا۔ لیکن یہ تو انسانیت اور انصاف کے خلاف ہے کہ تمام اضلاع کو ہی تاخت و تاراج کیا جائے محض اس جرم پر کہ باغیوں نے ان علاقوں میں پڑاؤ کیا تھا۔ غدر کے مصائب اور تباہ کاریوں نے فریقین کے دلوں میں بغض و عداوت کے جذبات اس حد تک پیدا کر دیے ہیں کہ صرف حکومت کے نام کی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

تبدیلی ہی اس تلخ یاد کو مٹانے میں کامیاب ثابت نہیں ہو سکے گی۔ اگر چہ بظاہر اس تبدیلی کی خواہش کو کتنا ہی مفید کیوں نہ خیال کیا جائے۔ لیکن اتنی خونریزی کے بعد اور دلوں میں اس قدر گہری عداوت کے راسخ ہو جانے کے بعد ایسی حرکت فی الفور مقبول اور پسندیدہ نہیں ہو سکے گی۔ اِن ہولناک واقعات کی یاد کو محو کرنے کے لیے غالباً کئی سو سال درکار ہوں گے لیکن باہمی اعتماد کی کیفیت تو میرے خیال میں کبھی پیدا نہیں ہوگی''[1]۔

(10)

فریڈرک کوپر (Frederick Cooper) ڈپٹی کمشنر امرتسر نے اِس سلسلہ میں اپنی ایک خاص مہم کے واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا جس سے اُس کا مقصد اپنی قوم سے ایک لازوال شہرت حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ 28 ستمبر 1857ء کو لندن کی وزارتِ خارجہ نے اس خاص مہم کا ذکر اپنے ایک اعلان میں ذیل کے الفاظ میں کیا ہے کہ:

''تیس جولائی کو لاہور میں ہندستانی پیادوں کی پلٹن نمبر 26 نے بغاوت کر کے اپنے کماندار افسر میجر اسپنسر (Spencer) کو قتل کر دیا۔ جس کی پاداش میں باغیوں کو بے دریغ قتل کر دیا گیا''۔

حفاظتی تدابیر کے سلسلہ میں 13 مئی کے دن تین ہزار آٹھ سو (3800) ہندستانی سپاہیوں سے لاہور میں ہتھیار چھین لیے گئے اور تقریباً تین مہینہ تک چار سو گورے اور سکھ سپاہیوں کی پلٹنیں رات اور دن ان کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتی رہیں۔ 30 جولائی کے دن جب کہ آندھی نہایت زور سے چل رہی تھی تو یکا یک ان سپاہیوں کے درمیان گھبراہٹ ظاہر ہوئی۔ جس سے انگریز افسران یہ سمجھے کہ یہ گھبراہٹ آندھی کے طوفان کے ڈر سے پیدا ہوئی ہے:

''یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اُن سے ہتھیار چھین لیے گئے تھے تو یہ گھبراہٹ موجودہ

1- Diary , II, p.259.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ذلیل زندگی کو خیر باد کہنے کے لیے پہلے سے طے شدہ سازش کا اعلان تھا یا نہیں۔ البتہ پرکاش سنگھ نامی ایک مذہبی دیوانہ یکا یک ننگی تلوار کو ہلاتا ہوا اپنی جھونپڑی سے باہر کی طرف تیزی سے بھاگا اور اپنے ساتھیوں کو للکارتا گیا کہ وہ انھیں اور فرنگیوں کو نیست و نابود کر دیں:

اُس نے یعنی پرکاش سنگھ نے میجر کو قتل کر دیا جس کے بعد نمبر 26 ہندستانی پلٹن آندھی کے طوفان کے درمیان ہی وہاں سے بھاگ نکلی لیکن اُن میں سے جتنے لوگ باقی رہ گئے، ان کو چھاؤنی میں ہی سکھوں اور گوروں کی توپوں نے ڈھیر کر دیا۔ مفرورین کی اس جماعت نے دوسرے دن دریائے راوی کو عبور کرنے کی کوشش کی لیکن پولیس کی بروقت مخالفت سے وہ اِس مقصد میں ناکام رہے یہاں تک کہ مسٹر کوپر (Cooper) امرت سر سے ان کا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچا اور جو کیفیت اُس نے وہاں دیکھی وہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

''دیہاتیوں کی ایک بڑی جماعت دریائے راوی کے کنارے جمع تھی جن کے چہرے اس لیے خوشی سے چمکتے تھے کہ وہ باغیوں کو آسانی سے پسپا کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو آدمی تو گولیوں سے ہلاک ہو گئے اور ایک کثیر تعداد کو دوبارہ دریا عبور کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جن میں سے بیشتر حصہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ لیکن باغیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دریا کے اوپر کی طرف بھاگ گئی جہاں کہ وہ لکڑیوں کے تختوں کے ذریعے تیرنے میں کامیاب ہو گئی اور بعض ایک میل کے فاصلے پر ایک جزیرے پر اُترنے میں کامیاب ہو گئے جہاں پر دور سے وہ جنگلی مُرغوں کی طرح بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔ اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ اس جماعت کو محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا جائے۔ جس کے بعد ایسی شدید سزا دی جائے جو دوسروں کے لیے عبرت ہو''۔

اب مسٹر کوپر (Cooper) کے راستے میں ایک عجیب و غریب عملی مشکل حائل تھی جو بالکل

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اُس شخص کی ناگفتہ بہ حالت سے مطابقت رکھتی تھی جو ایک کومڑ، ایک بطخ اور ایک بوری غلّہ کے ساتھ دریا کے کنارے ایسے وقت پر پہنچتا ہے جب وہاں پر عبور کرنے کے لیے کوئی کشتی وغیرہ نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر وہ پایاب عبور کرنا چاہے تو وہ نہ تو بطخ اور لومڑ کو اکٹھا پیچھے چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ اپنی پشتینی دشمنی کی بنا پر ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں اور نہ ہی بطخ اور غلّے کو جس سے غلّے کے نقصان کا احتمال ہے۔ غرضیکہ وہ ان میں سے کسی طرح بھی کسی دو کو پیچھے چھوڑ نہیں سکتا اور وہاں پر رات کے وقت قیام بھی نہیں کر سکتا۔ بعینہٖ سکھوں اور مسلمانوں کی دیرینہ عداوت کے بھڑکنے کے خیال سے نیز اپنے طریق سے باغیوں کو ختم کرنے کی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُس نے اپنے آپ کو اس مخمصے میں گھرا ہوا پایا۔ چنانچہ مذاقیہ رنگ میں اُس نے اس کہاوت کو سپاہیوں کو سنایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اُن کے خیالات کو بہت حد تک تبدیل کرنے میں کامیاب رہے۔ القصہ اس نے ایک عملی آدمی کی حیثیت سے موقع کے مناسب حالات پر پورا قابو حاصل کر کے اپنے حسبِ منشاء کارروائی کی۔ جس کا ذکر وہ اپنے الفاظ میں اس طرح کرتا ہے کہ:

> ''باغیوں کی قسمت کو بدلنے کے لیے قدرت اور اتفاقاتِ حسنہ نے ہمارا ساتھ دیا کیونکہ اگر انھوں نے بھاگنے کے لیے کوئی حرکت کی ہوتی تو لازماً ایک ہولناک لڑائی شروع ہو جاتی لیکن شکر ہے کہ انھوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ قدرت نے ان کے دماغ میں خاموش رہنے کا خیال ایسا ڈال دیا جو بالکل ہمارے حق میں تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں پوری روشنی کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ جب ہم نے دو کشتیوں پر سپاہ کو بھیجا جن کی سنگینوں اور پستولوں کی چمک سے خائف ہو کر تمام باغی سمٹ کر دونو ہاتھ سینوں پر باندھے ہوئے ساحل کی طرف پوری خاموشی اور عاجزی کے ساتھ بڑھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے چھلانگیں ماریں لیکن فی الفور سنگینوں کا رُخ اُن کے سروں کی طرف کیا گیا۔ جس کو دیکھ کر انھوں نے کشتیوں کی طرف رُخ پھیر دیا۔ وہ بھی ایک عجیب بھیانک نظارہ تھا جب کہ اُن کے لمبے لمبے عکس

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پانی پر سورج کی کرنوں سے پڑتے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن سواروں کو چونکہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی آدمی کو گولی سے نہ مارا جائے اس لیے اُن احمقوں نے یہ سمجھا کہ مسٹر کوپر کا منشاء اُن کو جان سے مارنے کا نہیں بلکہ اُن کے خلاف باقاعدہ مقدمے چلائے جائیں گے جس کے لیے انھیں کھانا کھلا کر فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ اس غلط امید کے بھروسے پر چھتیس (36) تنومند جوانوں نے اپنے آپ کو ایک ہی شخص کے ہاتھ سے بندھوانے کے لیے خاموشی سے پیش کر دیا اور اس ذلت کو پسند کیا کہ انھیں کشتی کے ایک گوشے میں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ایک دوسرے کے اوپر پھینک دیا جائے"۔

آدھی رات تک دوسو بیاسی (282) آدمیوں کو قید کر کے کوتوالی کے ایک بُرج میں بند کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ باغیوں کی کافی تعداد کو دیہاتیوں کے رحم پر چھوڑ دیا گیا جن کے انجام کے متعلق تاریخ کے صفحات آج تک خاموش ہیں کہ دیہاتیوں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ اُسی رات بارش ہوگئی تھی اس لیے پھانسیوں کو دوسرے دن پر اُٹھا دیا گیا۔ لیکن مسٹر کوپر (Cooper) جیسا مذہبی جذبات کا دلدادہ انسان ایسے موسم کی افسردہ خوبصورتی کے اظہار تک سے پہلو تہی نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

"فرحت و تازگی بخشنے والا چاند اپنی خوبصورت اور مختلف النوع روشنی سے بادلوں کو چیر کر نکلا اور تمام فضا کو جگمگ جگمگ کر دیا۔ گویا کہ وہ قیدیوں کے نوشتے کو جلا دے رہا تھا"۔

دوسرے دن علی الصبح سکھوں کا ایک دستہ رسّے لے کر پہنچ گیا جو درختوں کی کمی کی وجہ سے استعمال نہ کیے گئے۔ بہر حال مسلمان باغیوں کو نیست و نابود کرنے میں سکھوں نے مسٹر کوپر کا ہاتھ اچھی طرح بٹایا۔ اگرچہ اسے اندیشہ تھا کہ شاید سکھ باوجود وفادار ہونے کے اس حد تک اذیت پہنچانے میں کامیاب نہ ہوں جس طرح کہ مسٹر کوپر چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''پہلی اگست کو بقرعید کے تیوہار کا دن تھا جسے مسلمان ہر سال جانوروں کی قربانی کر کے نہایت دھوم دھام سے منایا کرتے ہیں۔ اس لیے مسلمان سواروں کو وہاں سے علاحدہ کرنے کے لیے یہ ایک مفید عذر تھا۔ چنانچہ ان کو اس تیوہار کے منانے کے لیے امرتسر بھیج دیا گیا اور صرف ایک عیسائی افسر وفادار سکھوں کی امداد سے ایک مختلف قسم کی قربانی کرنے کے لیے وہاں پر اکیلا رہ گیا جو مطلقاً نہ گھبرایا بلکہ پورے حوصلے اور جرأت سے اس کام کو بخوبی سرانجام دیا۔ اب مشکل یہ پیش آئی کہ لاشوں کو کس طرح دبایا جائے تا کہ وہاں کے رہنے والوں کو تعفن (بدبو) سے صحت خراب نہ ہو۔ لیکن قدرت نے پھر ہماری امداد کی یعنی اتفاق سے قریب ہی ایک ویران کنواں مل گیا جس سے اس مشکل کا حل بھی نکل آیا''۔

قیدیوں کو بازوؤں سے پیچھے کی طرف باندھ کر دس دس کی ٹولیوں میں میدان میں گولی سے اڑا دینے کے لیے باہر گھسیٹا گیا۔ اپنی قسمت کے انجام کے متعلق سن کر اُن کے غم وغصہ کی کوئی انتہا نہ رہی جس کا نقشہ وہ اس طرح کھینچتا ہے کہ:

''جب تقریباً ڈیڑھ سو باغیوں کو اس طرح گولی سے اُڑا دیا گیا تو قتل کرنے والوں میں سے ایک شخص غش کھا کر گر پڑا جو ہلاک کرنے والوں میں سے سب سے بوڑھا سپاہی تھا۔ اس لیے آرام کرنے کے لیے تھوڑا سا وقفہ دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد قتل کی کارروائی کو دوبارہ شروع کیا گیا اور جب تعداد دو سو سینتیس (237) تک پہنچ گئی تو ایک افسر نے اطلاع دی کہ باقی باغی بُرج سے باہر آنے سے انکار کرتے ہیں جہاں کہ وہ چند گھنٹے عارضی طور پر پہلے سے بند کر دیے گئے تھے۔ اس پر بُرج کے دروازے سے کھولے گئے تو معاً ایک نہایت ہی دردناک نظارہ دیکھنے میں آیا۔ جس سے ہالول کے بلیک ہول (Holwell's Black Hole) کی تلخ یاد دوبارہ تازہ ہوگئی یعنی پینتالیس (45) انسانوں کی مُردہ لاشیں باہر لائی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

گئیں جو خوف، گرمی، سفر کی صعوبت اور دم کے گھٹنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گئے تھے"۔

اِن مُردہ اور نیم مُردہ لاشوں کو اپنے مقتول ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ گاؤں کے بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے ویران کنوئیں میں پھکوا دیا گیا۔ کوپر (Cooper) اِس روح فرسا حادثہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے لکھتا ہے کہ:

"متذکرہ صدر حادثہ کے حالات جو خود میری اپنی قلم سے لکھے گئے ہیں، میرے ہم وطنوں کو یقیناً حیرت و استعجاب میں ڈال دیں گے کہ کس طرح ایک انگریز نے تن تنہا چند ایشیائی سپاہیوں کی مدد سے اتنی بڑی خطرناک ذمہ داری کو اٹھا کر اس قسم کی یادگارِ زمانہ قتل و غارت کو نہایت سنگ دلی سے ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب کہ فریقِ مخالف کی طرف سے نہ تو کھلی جنگ کی گئی جس سے طبائع جوش میں آ کر قتل و غارت کرنے کے لیے اُبھرتیں اور نہ ہی کسی ایک فردِ واحد کو کوئی زخم پہنچایا گیا۔ جس کی بنا پر اس قسم کی شدید منتقمانہ کارروائی کی ضرورت لاحق ہوتی۔ لیکن ایسے اصحاب کو واضح ہونا چاہیے کہ پنجاب کے گورنران صحیح انگریزی کیرکٹر اور خصلت کے مالک ہیں۔ اس لیے لارڈ نیلسن (Lord Nelson) کی طرح وہ اپنے اسٹاف سے متوقع ہیں کہ خطرے کے وقت ہر ایک شخص انگلستان کے لیے اپنا فرض انجام دے گا جس کی بجا آوری کے بعد گورنر کی طرف سے ہر ایک کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے"۔

کتاب کے مقدمہ میں بھی کوپر (Cooper) نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد جہاں یہ بتانا تھا کہ کس طرح انگریز پنجاب میں حکومت کرتے ہیں وہاں یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ:

"عیسائیت کے فروغ کے لیے خداوند یسوع مسیح کی روشن و ظاہر امداد اور برکت

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کے مقابلے میں انسانی شجاعت اور دانائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی"۔

اپنی کتاب کے خاتمہ پر وہ لکھتا ہے کہ:

"اُن انسانوں کے لیے جو ظاہری نشانات سے مستقبل کے متعلق فال لینے کے عادی ہیں ہم دہلی کے عیسائی گرجے کی صلیب کے نشان کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اگرچہ وہ گولی جس پر صلیب کا نشان کھڑا کیا گیا ہے باغیوں کی چاند ماری سے چھلنی ہو چکی ہے لیکن صلیب کے نشان کو کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا۔ وہ اسی طرح سالم کا سالم اپنی پہلی حالت پر موجود نظر آتا ہے۔ جس کے تمثیلاً یہ معنی ہیں کہ عیسائیت نے تمام دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا ہے"۔

یہ صحیح ہے کہ کتاب کے کچھ عرصہ بعد:

"کوپر (Cooper) پر بھی جاہلانہ انسانی ہمدردی کے رنگ میں تمام دنیا کی طرف سے متواتر شدید حملے کیے گئے کہ کیوں اس نے از خود اتنے اہم ضروری امور میں خودسرانہ طرزِ عمل اختیار کیا"[1]۔

یہ بھی صحیح ہے کہ اگرچہ شروع میں اُس کے افعال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور ہندستان میں بھی سوالات اور اعتراضات کی بارش ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین نے مجبوراً کوپر کی حرکات اور زیادتیوں کے متعلق مکمل خاموشی کو ہی مناسب سمجھا۔ لیکن اُس وقت جس بے چینی سے وہ اعلیٰ افسران کی خوشنودی کا انتظار کر رہا تھا بالآخر وہ وقت آ ہی پہنچا۔ چنانچہ جان لارنس (John Lawrence) نے اس کی حرکات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے ذیل کے الفاظ میں اپنی خوشنودی کا سارٹیفکٹ بھیجا:

"لاہور۔ مورخہ 2 راگست 1857ء، میرے پیارے کوپر!

ہندستانی پیادوں کی پلٹن نمبر 26 پر جو فتح آپ نے حاصل کی ہے میں اس کامیابی پر آپ کو

1- T.R.E. Holmes, The Indian Mutiny (4th Edition) p.353.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے اور آپ کی پولیس نے نہایت جرأت اور دلیری سے باغیوں کی سرکوبی میں حصہ لیا۔ جس کے لیے حکومت آپ کی مشکور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باغیوں کی سزایابی دوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہوگی۔ نیز توقع ہے کہ تمام ایسے افراد کو قابو میں لانے کی جملہ تدابیر پر عمل کیا جائے گا۔ جو اس وقت تک مفرور ہیں"۔

رابرٹ مونٹ گمری (Robert Montgomery) نے ذیل کا خط مسٹر کوپر کے نام لکھا جب کہ وہ لارنس کے بعد پنجاب کا لفٹننٹ گورنر مقرر کیا گیا:

"آپ نے نہایت درست قدم اٹھایا جس کے لیے آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسے نازک وقت میں سوچنا یا دیر کرنا یا واپس لوٹنا کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا جب تک کہ تم زندہ ہو یہ کامیابی ایک قیمتی موتی کی طرح تمھاری کلاہِ افتخار پر چمکتی رہے گی یہاں پر بھی باقی تین پلٹنیں کسی قدر مذبذب تھیں لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گی۔ حالانکہ میری دلی خواہش ہے کہ وہ ضرور ایسی کوئی حماقت کریں تا کہ ان میں سے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑا جائے"۔

ہندستان میں مسیحیت کی تبلیغ کی حمایت کرنے والوں میں سے مونٹ گمری بھی ایک زبردست حامی تھا۔ مجھے یقین نہیں کہ ایسے خیالات رکھنے والے انسان کی متذکرہ صدر چٹھی پر قرار واقعی تبصرہ ہو سکے۔ غدر کے بعد اُس نے لارنس کو لکھا کہ:

"ہندستانی سلطنت کو انگلستان کے لیے یا انگلستان کو ہندستان کے لیے محفوظ رکھنے میں نہ تو ہماری پالیسی یا سپاہی یا افسران کی بہادری اور استقلال نے امداد کی بلکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی عنایت سے ظاہر ہوا جس کی توجہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی"[1]۔

1- Lord Lawrence, p.114.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

گوپر کی اس کامیاب مہم کے تھوڑا عرصہ بعد اُس نے ہوڈسن (Hodson) کو ایک ایسے فعل پر مبارکبادی کا خط لکھا جس کی درندگی اور سفاکی کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا بلکہ اُن انگریز افسران نے بھی اس واقعہ کی قطعاً کوئی حمایت نہ کی۔ جنھوں نے غدر کی یادداشتیں مرتب کیں:

''میرے پیارے ہوڈسن۔ بادشاہ کو گرفتار کرنے اور اس کے بچوں کے قتل کرنے پر تم اور تمھاری پلٹن ہر طرح کی مبارکباد کے مستحق ہو۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ایسے معاملات میں ہمیشہ کامیاب رہو گے''۔

لیکن گوپر کی سنگ دلی کی کارروائی ابھی یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ اِن بدقسمت باغیوں میں سے ایک سپاہی اس قدر شدید زخمی تھا کہ وہ پھانسی دینے کے مقام پر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر مونٹ گمری کے مشورہ پر اس کی پھانسی کی سزا ملتوی کی گئی تا کہ وہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے آئندہ مفید ثابت ہو سکے۔ چنانچہ اپنے مذہبی جذبات کی نمائش ذیل کے الفاظ میں کی ہے:

''زخمی سپاہی سے جس قدر حالات معلوم ہو سکیں قلم بند کر لیے جائیں تا کہ وہ اس کے بعد لاہور پہنچ کر باغیوں کا انجام اپنی زبان سے خود لوگوں میں بیان کرے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ہمارے ذریعے سے مشتہر شدہ باتوں پر لوگ یقین نہیں کریں گے۔ آپ کو بعض ایسے باغی بھی یقیناً ملیں گے جو اِس وقت آوارگی کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے۔ ان میں سے جتنے گرفتار ہو سکیں ہمارے پاس فی الفور بھیج دیئے جائیں کیونکہ لاہور سے باہر تم کافی خونریزی کر چکے ہو اور یہاں پر فوجیوں کے سامنے ایسی نمائش کی سخت ضرورت ہے۔ نیز جس طریق سے اس وقت تک سزائیں دی گئی ہیں ان کے متعلق بھی لوگوں کو آگاہ کرنا لازمی ہے''۔

چنانچہ اس حکم کے ماتحت تمام زخمی اور اکتالیس (41) کے قریب باغیوں کو دیہاتوں سے تلاش کر کے لاہور بھیج دیا گیا جہاں ان کو فوجوں کے سامنے توپوں سے باندھ کر اُڑا دیا گیا۔ گوپر کے الفاظ میں ''نمبر 26 پلٹن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور سب کی سب تباہ کر دی گئی''۔ پھانسیوں کے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

متعلق اخبار ٹائمز لکھتا ہے کہ:

''بغاوت کے اعلان کے اڑتالیس (48) گھنٹوں کے اندر اندر پانچ سو آدمیوں کو قانون کی رُو سے سزا دی گئی۔ قارئین یہاں پر بجا طور پر سوال کریں گے کہ ان کا جرم کیا تھا اور کس قانون کے ماتحت اس قدر کثیر تعداد کو پھانسیاں دی گئیں۔ حالانکہ اس وقت کے ذمہ دار حکام کی اپنی رپورٹوں سے یہ تصدیق ہو چکی ہے کہ باغی بالکل نہتے تھے اور طوفان سے ڈر کر بھاگ نکلے تھے۔ نیز محاصرے کے وقت بھوک اور مسافت کی تکلیف اور صدمے سے اُن کی حالت نیم مردہ انسانوں کی تھی''[1]۔

مسٹر گریڈ (Greathed) جو محاصرین کے ساتھ سول کمشنر کی حیثیت سے کام کرتا تھا، لکھتا ہے کہ:

''دو انگریزوں کے قتل کے عوض پانچ سو باغیوں کی جان لینا ایک ایسا خوفناک بدلہ ہے جو کبھی فراموش نہیں ہو سکے گا''[2]۔

ہاں، یہ بالکل درست ہے کہ جس طرح کانپور کا حادثہ انگلستان کے لیے ناقابلِ فراموش ہے اسی طرح اس خونی انتقام کی یاد بھی ہندستان کے دماغ سے کبھی محو نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ اس سفاکی کی انتہا ہو جاتی ہے جب ہم کوپر کے ذیل کے الفاظ کو پڑھتے ہیں جو اس نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھے:

''ایک کنواں تو کانپور میں ہے لیکن ایک دوسرا کنواں بھی ہے جو اجنالہ (ضلع امرتسر) میں ہے''۔

مجھے کوئی وجہ نہیں نظر آتی کہ کیوں اس کو اس لازوال شہرت سے محروم رکھا جائے جس کے

1- Montgomery Martin, Chapter XXII

2- Letters Written during the Seige, p.15

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

حاصل کرنے کی اس کو زبردست خواہش تھی۔ یعنی اس کے نام کو بھی نانا صاحب کے مظالم کے ساتھ ساتھ سفاکوں کی فہرست میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔

(11)

ہمارے دشمنوں کا انجام تو ناظرین نے پڑھ لیا۔ اب ہمارے دوستوں کا احوال بھی ملاحظہ ہو:

> ''ایک افسر جو رینا ڈ (Renaud) کے دستے کے ساتھ متعین تھا، بتلاتا ہے کہ ہندستانیوں کو اس کثرت کے ساتھ پھانسیوں پر لٹکایا گیا جو بیان سے باہر ہے۔ دو دن کے اندر بیالیس (42) آدمیوں کو سڑک کے کنارے پر پھانسی دی گئی اور بارہ (12) آدمیوں کو تو صرف اس جرم پر پھانسی کی سزا ملی کہ جب فوج مارچ کرتی ہوئی ان کے سامنے سے گزری تو ان کے چہرے دوسری طرف کیوں تھے۔ جہاں جہاں فوج نے پڑاؤ کیے وہاں پر قرب و جوار کے تمام دیہات جلے ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ سب مظالم کانپور کے حادثہ کا جواب تھے صحیح نہیں کیونکہ کانپور کا شیطانی واقعہ اُن خوفناک حوادث کے بہت بعد پیش آیا تھا۔ افسر مذکور نے رینا ڈ (Renaud) سے اس طرزِ عمل کے خلاف احتجاجاً مشورہ دیا کہ اگر ہم اسی طرح دیہات کو جلانے کی کارروائی کرتے رہیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کو راستے میں رسد اور چارہ بالکل دستیاب نہیں ہو سکے گا''[1]۔

افسر کور کی یہ پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ اکثر مقامات پر راستے میں ہماری فوج کو غلہ وغیرہ فراہم کرانے میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ تمام علاقہ ویران اور تباہ ہو چکا تھا اور ایک متنفس ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ نیز اس لیے بھی لوگ ہمیں مدد دینے سے احتراز کرتے تھے کہ انھیں خدشہ تھا کہ امداد دینے کے باوجود بھی انھیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

1- Russel, Dairy, p.221,222

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ایسے حالات میں یہ زیادہ حیران کن تھا کہ پھر ہندستانیوں نے اکثر امداد کی۔

''ہندستانیوں کے خلاف طبائع اس حد تک برانگیختہ ہوگئی تھیں کہ ان کے ذکر سے بھی ابھی یورپ میں مشکل سے لوگ یقین کریں گے۔ چنانچہ ملازمین کا وہ طبقہ جو شروع سے آخر تک نہایت جانفشانی کے ساتھ وفادار رہا، ان سے بھی بعض افسران نے نہایت بے جا طور پر سختی کی یہاں تک کہ اکثر کو زدوکوب کیا جاتا تھا۔ گولہ باری کرتے وقت پانی پلانے والوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ پانی مہیا کریں۔ حالانکہ بہت سے اس کام میں گولیوں کا نشانہ بنائے گئے یعنی پانی مہیا کرنے کے لیے ان کو گولیوں کی زد سے گزرنا پڑتا تھا جس سے وہ بدقسمت مفت میں گولیوں کا

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اطلاع دہندوں نے ساتھ ہی اس شبہ کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ انگریزوں کے سلوک میں سختی کا عنصر غدر کے بعد پیدا ہوا یا اس سے پہلے بھی موجود تھا یعنی غدر سے پہلے بھی ہندستانی ملازمین کے ساتھ کوئی بہتر سلوک نہیں ہوتا تھا۔ بنابریں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بُرا سلوک کسی منتقمانہ رنگ سے کیا گیا تھا"۔

مجینڈی (Majendie) لکھنؤ کے محاصرے کے دوران میں ایک عارضی سکون کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کھینچتا ہے کہ:

"اس تمام سلسلے میں ایک نمایاں جوش کی کیفیت پائی جاتی تھی جس سے ہمیں

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ہوتا تھا تو اُسے ڈرانے اور اس کا تمسخر اڑانے کے لیے ہم حقے کو اس کی ٹانگوں کے درمیان پھینک دیتے تھے جسے وہ غلطی سے توپ کا گولہ سمجھ لیتا تھا۔ لیکن دوسری طرف غدر کے مصائب اور مظالم کے مقابلہ میں وینسنٹ سمتھ (Vincent Smith) ایسے ہی خدام اور دیہاتیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر پناہ دی اور جان بچائی:

''وفاداری، مروت اور ایثار کی سینکڑوں ایسی مثالیں ملتی ہیں جو انسانی فطرت کا طرۂ امتیاز ہیں''[1]۔

اس لیے کہ تمام ہندستانی قوم نے دغاباز ہونے کا ثبوت نہیں دیا بلکہ اکثر نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر متعدد انگریزوں کو بچانے میں نہایت فیاضی اور فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ برطانوی قوم کا ہی قلیل طبقہ آج بھی نہایت ظالمانہ جانبداری سے ہندستانی عیسائیوں کے افعال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔ حالانکہ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہزارہا ہندستانی عیسائی محض اس وجہ سے باغیوں کے ہاتھ قتل کیے گئے کہ انھوں نے ہماری امداد کیوں کی۔ یہاں پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس بدترین عیسائی نما حکومت کے مردوں اور عورتوں کے بچانے میں صرف ہندستانی عیسائیوں نے ہی امداد نہیں کی بلکہ ان کے علاوہ دوسری قومیں بھی شامل تھیں۔

(12)

بہرحال جو شرمناک سلوک کہ ہم نے سول آبادی سے روا رکھا وہ ہماری شہرت پر ایک سیاہ ترین داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کانپور کے حادثہ سے بہت عرصہ پہلے ایک طرف تو فوجی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور دوسری طرف مجلس وضع آئین وقوانین نے مئی اور جون میں نہایت خوفناک قوانین پاس کیے جن پر پوری سرگرمی سے عمل کیا گیا اور فوجیوں اور سول افسران نے خونی عدالتیں قائم کر کے ہندستانیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ بلکہ بعض

1- Oxford History of India, p. 723

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

حالات میں تو بغیر کسی نام نہاد عدالت کے حکم سے بھی پھانسیاں دی گئیں جن میں مرد عورت کی کوئی تمیز روا نہ رکھی۔ بایں ہمہ خونریزی کی آگ دن بدن اور بھڑکتی گئی۔ چنانچہ آج بھی پارلیمنٹ کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں تک کو بھی پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا۔ نہ صرف سولی پر ہی اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں اُن کو اپنے مکانوں میں بند کر کے آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور شاذ و نادر ہی کسی ایک کو گولی سے مارنے کی تکلیف کی گئی ہو۔ انگریزوں نے نہ صرف اس قسم کی خوفناک سزاؤں کا فخریہ اظہار ہی کیا بلکہ خود اپنی یادداشتوں میں ان دردناک واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہم نے حتی الامکان کسی ذی روح آبادی کو زندہ نہیں رہنے دیا یہاں تک کہ اُن سیاہ فام انسانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے نظاروں سے اپنی خون آشامی کی پیاس بجھا کر لطف اٹھاتے رہے ہیں''۔[1]

قارئین یقیناً بے دردی اور ظلم کے مسلسل واقعات کو پڑھ کر نہایت برداشتہ خاطر ہو گئے ہوں گے۔ لہذا اب میں انگریزی انصاف کے چند نمونے پیش کرتا ہوں جن کا مختلف مقامات پر اظہار کیا گیا مگر اپنی طرف سے مزید حاشیہ آرائی بالکل نہیں کروں گا۔

بنارس اور الہ آباد میں کانپور کے حادثہ سے پہلے:

''ایک موقع پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی کی سزا دی گئی کہ انھوں نے غالباً تفننِ طبع کے طور پر باغیوں کی جھنڈیاں اٹھاتے ہوئے بازاروں میں منادی کی تھی۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پُرنم آنکھوں سے کمانڈنگ افسر کے پاس جا کر درخواست کی کہ ان نابالغ مجرموں پر رحم کر کے

1- Kaye, Book V, Chapter ii

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پھانسی کی سزا کو تبدیل کر دیا جائے لیکن بے سُود۔ اس تمام سلسلے میں بے شمار ایسے واقعات ملیں گے جن میں اس قسم کی نمائشی عدالتوں تک سے بھی گریز کیا گیا اور بے گناہ انسانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ پھانسیاں دینے کے لیے رضا کارانہ ٹولیاں بنائی گئیں جنھوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے دیہات میں دورہ کیا۔ اس حالت میں کہ اُن کے ساتھ پھانسی دینے کا سامان بھی مکمل نہیں تھا اور نہ ہی کسی کو پھانسی دینے کے طریق سے پوری واقفیت تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک ''شریف آدمی'' اپنی شاندار کامیابی کا اس طرح فخریہ اظہار کرتا تھا کہ ہم پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت اور ہاتھی کو استعمال کیا کرتے تھے یعنی ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لے جاتے تھے اور اوپر سے رسّا ڈال کر ہاتھی کو ہنکایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ملزم اِس طرح تڑپنے اور جانکنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کا آٹھ (8) ہندسے کی دلچسپ شکل بن کر رہ جاتا تھا''[1]۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر (Tayler) کمشنر کا باغیوں کے خلاف شہادتیں فراہم کرنے کا طریقہ:

''میں نے گواہ سے کہا کہ میں تمھاری جان بخشی کر دیتا ہوں بشرطیکہ تم اِس کے عوض کوئی تین ایسے نام بتاؤ جن کو تمھارے عوض میں پھانسی دی جائے۔ چنانچہ اس نے وہی نام بتائے جن کو میں پہلے ہی جانتا تھا لیکن اس پر بھی ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا جس سے ہم اپنی آرزو کو پورا کر سکتے ہیں''[2]۔

سہارنپور:

''یہاں پر حالات ایسے نازک تھے کہ ہمیں مناسب انتظام قائم رکھنے کے لیے متعدد پھانسیاں دینے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ ہمارے ایک ماتحت سول افسر نے اس ضرورت کو قرار واقعی طور سے پورا کیا جس کی تفصیل کو اس نے ایک کتاب

1- Kaye, Book V, Chapter II 2- Montgomery Martin Chapter XX

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کی صورت میں قلم بند کیا ہے جو میری نظر سے نہیں گزری''[1]۔

آگرہ:

''یہاں کے دیہات سے متعدد کسانوں کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا، گرفتار کیا گیا اور اُن باغی سپاہیوں کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیا گیا جو قرب و جوار سے پکڑے گئے تھے۔ فوجی عدالت کے سامنے ان میں سے بعض نے تو عجیب و غریب حرکات کیں یعنی بعض نے تو فرضی طور پر دیوانگی اختیار کر لی جس کے اظہار کے لیے وہ مکھیاں پکڑ کر ہمارے سامنے بے دریغ چباتے تھے اور بے ہودہ بکواس کرتے جاتے تھے۔ لیکن بعض فوجی عدالت کے افسران کے ساتھ نہایت گستاخانہ طریق پر دُرشت کلامی سے پیش آئے''[2]۔

دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد

''مسز کوپلینڈ (Mrs Coopland) 23 ستمبر 1857ء کو اپنی ایک چٹھی میں لکھتی ہیں کہ دہلی کے محاصرے سے لے کر اب تک اعلیٰ فوجی حاکم کے حکم سے چار سو سے لے کر پانچ سو تک بدقسمت انسانوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ چنانچہ اب وہ اپنی جگہ سے استعفیٰ دینے کا خیال کر رہا ہے۔ مزید برآں یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ خونریزی کے عادی سپاہیوں نے جوشِ انتقام کو فرو کرنے کے لیے پھانسی دینے والے جلادوں کو رشوت دے کر آمادہ کیا ہوا تھا کہ وہ پھانسی کے تختے پر زیادہ دیر تک لٹکے رہنے دیا جائے تا کہ لاش کے تڑپنے کی دردناک کیفیت دیکھ کر جسے وہ ناچ سے تشبیہ دیتے تھے اپنی خونخوار طبائع کے لیے دلچسپی کا سامان بنا سکیں۔ اس کے میزبان کیپٹن گارسٹن (Captain Garstin) نے بتایا کہ جھجھر کے

1- Sir George Campbell, I, p.238. Letter 12th August 1857.

2- A Lady's Escape from Gawaliar. p.212.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نواب صاحب کو جان دینے میں بہت عرصہ لگا کیونکہ وہ ابھی اُس کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھ کر آیا ہے"[1]۔

"ایک دن ایک ہندستانی جوہری مسز گارسٹن (Mrs Garstin) کے پاس سونے چاندی کے کچھ ظروف بیچنے کے لیے لایا اور مسز موصوفہ نے یہ سمجھ کر کہ دام کچھ زیادہ بتائے گئے ہیں ویسے ہی تفننِ طبع سے کہا کہ دیکھو تم کو میٹکاف (Metcalf) صاحب کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ اِس فقرے کو سنتے ہی وہ حواس باختہ ہو گیا اور اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ اپنے قیمتی ظروف بھی وہیں چھوڑ گیا۔ جس کے بعد اس نے کبھی اپنی صورت نہ دکھائی اور نہ ہی ظروف کی واپسی کا مطالبہ کیا"[2]۔

"یعنی دوسرے دن سر تھیوفی لس میٹکاف (Sir Theophilus Metcalf) کو دیکھا جسے ہندستانی نہایت دہشت اور خوف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں اُسے ہندستانی ملتے ہیں وہ انھیں سزائیں دیتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے گرفتار شدگان کو پھانسی پر لٹکائے جاتا ہے"[3]۔

"تمام ججان رحم کے اظہار کرنے کی پالیسی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ تمام ایسے ملزمین جو پیش کیے گئے تقریباً سب کے خلاف فرد جرم لگا دی گئی اور موت کی سزا کا حکم دے دیا گیا۔ شہر کے ایک بلند مقام پر لیک چوگوشہ سُولی نصب کی گئی ہے جہاں کہ پانچ اور چھ اشخاص کو روزانہ پھانسی دی جاتی ہے۔ جس کے قریب ہی انگریز افسران سگرٹوں کے گش پر گش اڑاتے ہوئے لاشوں کے تڑپنے کے نظاروں میں محو دکھائی دیتے ہیں"[4]۔

1- A lady's Escape from Gawaliar. p.269. 2- Ibid, p.273.

3- Times, A letter from Delhi, January 1858. 4- Holmes, p.386.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''دہلی میں جو دردناک سختیاں روا رکھی گئی ہیں وہ بے حد افسوسناک ہیں۔ چونکہ میں اُس وقت دہلی میں موجود نہیں تھا اس لیے تفصیل سے لاعلم ہوں لیکن جو کچھ میں نے سنا ہے اُس سے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان میں سے بیشتر پھانسیاں یقیناً انصاف کے خلاف دی گئی تھیں''[1]۔

''دہلی پر قبضہ کرنے کے دن سے لے کر سوائے چند دنوں کے پانچ سے لے کر چھ تک روزانہ پھانسیوں کی تعداد تھی اور اگر اسی طرح معمولی قانون سے قطع نظر کر کے سزائے موت کی پالیسی پر عمل ہوتا رہا تو اس ملک میں رسول گورنمنٹ کے قیام کی توقع تقریباً ناممکن ہو جائے گی''[2]۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب:

''اِن صوبوں میں نہ صرف ہر قسم کے جرائم کے بدلے میں بلکہ ایسے مشتبہ جرائم کے عوض بھی اندھا دھند پھانسیاں دینے کی کارروائی سے جس میں مرد عورت، بوڑھے اور بچے کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی نیز بے شمار دیہات کے جلائے جانے کی وجہ سے آبادی کے اُس حصہ میں بھی نفرت اور دہشت پھیل گئی ہے جو اِس وقت تک گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فصلیں تباہ ہو گئی ہیں اور قحط کے پھیلنے کا سخت احتمال ہے۔ مزید برآں وہ سپاہی جو چھٹیوں پر گئے ہیں یا جن کی پلٹنیں توڑ دی گئی ہیں یا جنھوں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر، اپنے افسران کو باغیوں کے غصہ سے بچانے کی کامیاب کوشش کی، ایسے تمام افراد انگریزوں کی دُرشت پالیسی کو دیکھ کر اور بے دریغ سزاؤں اور ہندستانیوں کے خلاف علانیہ نفرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے جان و مال کو بالکل غیر محفوظ حالت

1- Campbell, I, p.248.

2- Lord Allenborough in Parliament on 16-2-1858.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

میں محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ بدقسمتی سے انگریز افسران کا ردِ عمل نہایت ہی قابلِ اعتراض تھا بلکہ اب بھی بعض مقامات سے اِس قسم کی دلخراش اطلاعات سننے میں آتی ہیں جن کی بنا پر یہ افواہ نہایت ترقی پکڑ گئی ہے کہ گورنمنٹ کا منشاء تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دینے کا ہے"[1]۔

(13)

اِن حالات کو دیکھ کر یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ حکومت محض پھانسیوں کے بَل بوتے پر کی جا رہی تھی جس میں بعد میں عام قتل و غارت گری بھی شامل کی گئی۔ چنانچہ ایل کارتھل (L.Carthal) لکھتا ہے کہ:

"عام قتل و غارت بذاتہ ایک ایشیائی دماغ کے لیے جو حکومتِ وقت کی طرف سے عمل میں لائی جائے بہت حد تک قابلِ نفرت نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ ایسے تجربات سے بخوبی آشنا رہ چکا ہے۔ سیاسی قتل و غارت کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے کوئی بھی اس کے ذہن پر ناخوشگوار اثر نہیں ڈالتے"[2]۔

غدر میں قتل و غارت گری کی وارداتیں گورنمنٹ کی طرف سے بیشتر دیکھنے میں آئیں۔ چنانچہ جھانسی، کانپور اور دہلی میں اگرچہ منتقمانہ حیثیت سے اس قسم کی قتل و غارت گری کے لیے کسی قدر گنجائش بھی موجود تھی۔ لیکن لکھنؤ میں تو بلاوجہ قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا جس کی تفصیل ایک افسر کے قلم سے ذیل میں دی جاتی ہے:۔

"لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ چنانچہ ہر ایسے ہندستانی کو قطع نظر اس کے کہ وہ سپاہی ہے یا اَودھ کا دیہاتی، بے دریغ تہ تیغ کیا گیا یہاں تک کہ نہ تو کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی تکلف روا

1- Governor General in Council, 24th Dec. 1857 on state of affairs in July. 2- The lost Dominion, p.93.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

رکھا جاتا تھا بلکہ محض سیاہ رنگت ہی اس کے مجرم ہونے کے لیے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی اور ہلاکت کے لیے ایک رسّا اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا یا اگر یہ اشیا مہیا نہ ہوں تو بندوق کی ایک گولی بے گناہ انسان کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی اور وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا''[1]۔

دہلی میں:

''ہماری فوج کے شہر میں داخل ہونے پر تمام ایسے لوگ جو شہر کی چار دیواری کے اندر چلتے پھرتے نظر آئے، سنگینوں سے وہیں پر ختم کر دیئے گئے۔ ایسے بدقسمت انسانوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ آپ اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک گھر میں چالیس یا پچاس ایسے اشخاص ہمارے خوف سے پناہ گزیں ہو گئے جو اگرچہ باغی نہ تھے بلکہ غریب شہری تھے اور ہمارے عفو و کرم پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ جن کے متعلق میں خوشی سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سخت مایوس ہوئے کیونکہ ہم نے اُسی جگہ اُن کو اپنی سنگینوں سے ڈھیر کر دیا''[2]۔

''بے گناہ شہریوں کو درآنحالیکہ وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ بلکہ عمر رسیدہ انسانوں کو حالانکہ اُن کے جسم رعشہ سے کانپ رہے تھے، کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فوجیوں کو اس قسم کے قتل کرنے کی زبردست ترغیب دی گئی تھی کیونکہ ان کے بہت سے ساتھیوں کو جب کہ وہ شہر میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ بعض مذہبی دیوانوں اور بدمعاشوں نے موقع پا کر شہر کے غیر آباد محلوں میں اُن پر حملے کیے اور بہت بُری طرح سے مار ڈالا''[3]۔

1- Majendie, p.195,196. 2- Letters in the Bombay Telegraph Montgomery Martin. 3- Holmes. p.370

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

حُبّ الوطنی کا جذبہ متین سے متین دماغوں پر بہت بُرا اثر ڈالا کرتا ہے۔ جس سے یہ لوگ اکثر دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ آخری مصنف ہمیں ابھی یہ بتاتا ہے کہ دہلی میں داخل ہوتے ہی ہمارے سپاہیوں نے پہلا کام یہ کیا کہ شراب کی دکانوں کو بے دریغ کوٹنا شروع کر دیا۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ہندستانیوں پر کسی قسم کے رحم کا اظہار نہیں کیا گیا۔ پھر بھی جب ہمارے سپاہی شراب اور خونریزی کے نشے میں غصّے سے اندھے ہو کر ہندستانیوں پر اس نیت سے حملہ آور ہوئے کہ ان کو بے دریغ قتل کر دیا جائے تو ان میں سے بعض ہندستانیوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ چنانچہ ہمارا انصاف پسند مصنف اِس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اس کو ''بیدردانہ قتل بتاتا ہے اور قاتلوں کو مذہبی دیوانہ لکھتا ہے''۔ ہم حیران ہیں کہ بقول مصنف ان مذہبی دیوانوں کو اُس وقت کون سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تھا۔ کیا اس کا یہ مقصد ہے کہ تمام ہندستانی نہایت نرمی اور سہولیت کے ساتھ اُن شرابی کٹیروں کو ان کی قیام گاہوں پر پہنچا آتے اور وہاں سے فارغ ہو کر اپنے آپ کو شہر کے فوجی جرنیل کے سپرد کر دیتے جو ایک دم اُن کے خاتمہ کرنے کا حکم دے دیتا۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے کہ کس طرح غدر کے متعلق مفروضہ ''بہترین کتاب'' میں ''ایماندارانہ طریق پر مصنف نے واقعات پر بحث کی ہے۔ چنانچہ ٹائمز کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ:

> ''میں نے دہلی کے گمنام بازاروں میں سیر کرنا مطلقاً چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ کل ایک ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں آیا۔ جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایک افسر بیس سپاہی لے کر شہر کی گشت کو جانے لگا تو میں بھی اُن کے ہمراہ ہو لیا اور راستے میں ہم نے چودہ (14) عورتوں کی نعشوں کو شالوں میں لپٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا جن کے سر دھڑوں سے اُن کے خاوندوں نے خود جدا کیے تھے۔ چنانچہ ایک عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دردناک حادثہ اس لیے ظہور پذیر ہوا کہ اِن مستورات کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ اگر انگریز سپاہیوں کے قابو میں آگئیں تو وہ ان کی عصمت دری کر دیں گے۔ اس لیے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

بحالاتِ موجودہ اپنے ناموس کے تحفظ کا یہی طریقہ مناسب خیال کیا گیا جس کے بعد انھوں نے خود بھی خودکشی کر لی۔ چنانچہ ہم نے اُن کے خاوندوں کی لاشوں کو بھی بعد میں دیکھا''[1]۔

''نادر شاہ کی تاریخ لوٹ اور قتلِ عام کے بعد جب کہ اس نے چاندنی چوک کی مسجد میں بیٹھ کر غارت گری کا حکم دیا تھا۔ ایسا دردناک نظارہ آج سے پہلے شاہجہاں کے دارالخلافہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا''[2]۔

دہلی کی فتح کرنے میں ہمارے سپاہیوں نے بہادری اور جوانمردی کے جو جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اُن کو آکسفورڈ تاریخ ہند کے مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کی قتل و غارت گری کے متعلق نہایت احتیاط سے اشارہ تک نہیں کیا۔ البتہ صرف اتنا ہی لکھا جتنا کہ ایک مہذب سپاہ سے ایسے اوقات میں عام طور پر کسی شہر کے فتح کرنے کے بعد توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف نادر شاہ کی تاریخی لوٹ پر جن گرانقدر خیالات کا اظہار فاضل مصنف نے کیا ہے۔ میرے خیال میں قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا موجب ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''نادر شاہ نے نہایت خوفناک انتقام لیا۔ روشن الدولہ کی سنہری مسجد میں بیٹھ کر جو شہر کے ایک ممتاز بازار میں واقع ہے۔ اس نے پورا ئو گھنٹے تک ہزاروں بے گناہ انسانوں کے دردناک قتل و غارت کا نظارہ دیکھا۔ آخر کار محمد شاہ کے عاجزانہ گڑگڑانے سے متاثر ہو کر اس نے اس قتلِ عام کو روکنے کا حکم دیا جو اسی وقت ختم کر دیا گیا''۔

یہ واقعہ تو ایک سو سال پہلے کا ہے یعنی نادر شاہ کا حملہ 1739ء میں ہوا لیکن بالکل ویسے ہی

1- Times Letter dated 19-11-1857. Montgomry Martin.

2- Times Letter dated 16-11-1857 Montgomry Martin.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

دردناک بیانات غدر کے سلسلے میں ہم پہلے پڑھ آئے ہیں بعینہٖ یہی دردناک نظارہ ہماری آنکھوں نے اس وقت دیکھا جب جرمنی نے بلجیم پر حملہ کیا اور یہی تباہی اور بربادی غدر میں دہلی کے باشندوں کے حصے میں آئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے کہ:

''باغیوں کے جرائم کے مقابلہ میں ہزار گناہ زیادہ سنگین پاداش باشندگانِ دہلی کو برداشت کرنی پڑی۔ ہزار ہا مرد، عورت اور بچوں کو بے گناہ خانماں برباد ہوکر جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھاننی پڑی اور جتنا مال واسباب وہ پیچھے چھوڑ کے گئے۔ ان سے ہمیشہ کے لیے ان کو ہاتھ دھونے پڑے۔ کیونکہ سپاہیوں نے گھروں کے کونے کونے کھود کر تمام قیمتی اشیا کو قبضہ میں کرلیا اور باقی سامان کو توڑ پھوڑ کر خراب کر دیا۔ جس کو کہ وہ اُٹھا کر نہیں لے جاسکتے تھے''[1]۔

''عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اپنے آپ کو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا جن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ کئی دفعہ ایسی بیکس اور شریف عورتوں کے غول کے غول ماتمی قافلوں کی شکل میں دیکھنے میں آئے جن میں سے اکثر بے چاری بچوں کو اٹھا کر مشکل سے چل سکتی تھیں اور بعض کے ساتھ عمر رسیدہ مرد نظر آتے تھے جو چلتے ہوئے ٹھوکریں کھا کھا کر گر پڑتے تھے''[2]۔

''تمام آبادی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ جن کے لیے اپنے مال واسباب کو دوبارہ دیکھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر بعض بوڑھے مرد بھی دیکھنے میں آتے تھے۔ جن کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا گیا اور شہر سے نکل جانے کے لیے مناسب سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ ایسی کوئی مثال ہمارے سننے میں نہیں آئی کہ کہیں کسی عورت کو ارادۃً قتل کیا گیا ہو''[3]۔

1- Holmes, p.386. 2- Greathed, p.285. Letter dated 18-9-1857.

3- Greathed, p.280. dated 16-9-1857.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

باوجود اس کے کہ میرے بعض پادری دوستوں نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ پشتیں گزر جانے پر ہندستان اور بالخصوص دہلی والوں کے دماغ سے غدر کے خوفناک مظالم کی یاد محو ہو چکی ہے۔ لیکن اِس وقت اِس کی صحت یا عدم صحت پر بحث کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہماری سلطنت کا نیا دارالخلافہ اُس پُرانی غیر فراموش شدہ تلخی اور مظلومیت کی بنیادوں پر آباد کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ بعض ایسے مقامات جو بے انتہا مصائب و تکالیف برداشت کرنے کی وجہ سے گو ایک خاص خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی اُن مظلوموں کے بھوت اکثر ان مقامات کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ بعینہ باشندگانِ دہلی کے دماغ میں آج بھی نامعلوم طور سے دردناک حوادث کی یاد موجود ہے جو ہر انگریز مرد و عورت کے دماغ پر ایک نامعلوم اثر چھوڑ دیا کرتی ہے جو اُن سے ملنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اندر ہی اندر ایک قسم کی بے چینی سی محسوس کرتے ہیں جس سے خیالات میں ایک قسم کا ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہلکا سا پردہ یکا یک نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا ہے۔ پہلے میں کبھی اِس حالت کو سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اُس وقت ان کو مجھ سے زیادہ علم تھا۔

(14)

لیکن کانپور کے حادثہ کے متعلق کیا کہنا چاہیے جو بے فائدہ شجاعت اور ناقابلِ بیان مصائب کی ایک دردناک یاد ہے۔ اس واقعہ کے متعلق مختلف اقتباسات پیش کر کے ناظرین کی اپنی قوت فیصلہ پر چھوڑتا ہوں:

''مختلف شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ باغی سپاہیوں کی پہرہ دار جماعت نے قیدیوں کو قتل کر دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ یہ سنگین جرم نانا صاحب کے پانچ بدمعاش مصاحبوں کے ایما سے عمل میں لایا گیا۔ بنابریں تمام قوم کو اس سفاکانہ قتل کا ذمہ دار قرار دینا نہ صرف حقیقت کے خلاف ہے بلکہ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نہایت تنگدلانہ تعصب ہے''[1]۔

''ایک انگریز کا خون غصّے اور انتقام سے کھولنے لگتا ہے۔ جب وہ کسی ہندستانی کے ہاتھوں کسی انگریز عورت کے قتل کے واقعہ کو سنتا ہے۔ لیکن ہندستانی تاریخ یا افسانوں کو سُن کر عام ہندستانیوں کے جذبات کی کیا کیفیت ہوگی۔ جب وہ اُن بیشمار معصوم اور گمنام عورتوں، بچوں اور مردوں کے بے دریغ قتل کے حالات پڑھتے یا سُنتے ہوں گے جو انگریز کے بے پناہ انتقام کا نہایت سفاکی سے شکار بنائے گئے تھے۔ یقیناً جس طرح ہم اپنے ہم قوم افراد کے مقتول ہونے سے چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہندستانیوں کے دماغ بھی ایسے واقعات سُننے کے بعد ضرور متاثر ہوں گے''[2]۔

''اگرچہ کانپور کے خونی واقعہ میں تاریخی سنگدلی کا خوفناک طریق سے مظاہرہ کیا گیا تھا۔ جو نرم سے نرم الفاظ میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قتل و غارت کے اس ڈرامے کو سمجھنے کے لیے ہمیں دو باتوں کا خیال ضرور کر لینا چاہیے اول یہ کہ جنرل ہیو یلاک (Houelock) نے باغیوں کو نہایت بے دردی سے پیٹا تھا۔ جس سے فارغ ہو کر وہ شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس واقعہ کی خبر سے ایک عام غم و غصہ اور مایوسی کی حالت پیدا ہو گئی۔ دوسرے ہمارے آدمیوں نے کانپور پر حملہ کرتے ہوئے راستہ میں اس قدر شدید مظالم کیے جن سے باغیوں میں بے انتہا اشتعال پیدا ہوا اور نتیجہ میں یہ خونی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب اس حادثہ کے متعلق پوری تحقیقات کی گئی تو کوئی بھی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا گیا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ خوفناک قتل کسی پہلے سے طے شدہ سازش کا نتیجہ

1- Sir George Forest. The Indian Mutiny XI.

2- Kaye, Book V Chapter II.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

تھا۔ دوسری طرف اگر ہم اُن بے شمار مظالم اور زیادتیوں کو جو ہمارے سپاہیوں کے ہاتھوں ہندستانیوں کے خلاف عمل میں آئیں نظر انداز بھی کر دیں جن کو مسٹر کے ای (Kaye) نے تفصیل سے بیان کیا ہے تو پھر بھی ہر دو فریق کے حالات پر مکمل غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس معاملے میں صرف ہندستانی ہی قتل و خونریزی کے مجرم نہیں تھے۔ بنارس میں جو مظالم توڑے گئے۔ اگرچہ مجھے اُن کا مفصل علم نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ جن واقعات کا مسٹر کے ای (Kaye) نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست تھے۔ بالخصوص جنرل نیل [1] (Neill) کے حملہ کے وقت جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا تھا۔ اس کو درست تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ الہ آباد میں تو بے انتہا انسانوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ چنانچہ جب جنرل نیل ان مظالم سے فارغ ہو چکا تو اس نے اپنے ایک میجر کو کانپور روانہ کیا تو اس نے بھی راستے میں نہایت بیباکانہ طریق سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ حالانکہ اُن کا بظاہر کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ قتل و غارت گری کی آخری کمی جنرل نیل خود پوری کرتا ہے۔ جب اس کے حکم سے بے گناہ انسانوں کو ایسی شدید تکالیف دے کر جان سے ہلاک کیا گیا کہ ان کے مقابلے میں ہم ہندستانی سنگدلی اور بربریت کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتے"[2]۔

1۔ نوٹ: مصنف کا اشارہ جنرل نیل Neill کی سپاہ کے اُن ہولناک مظالم سے ہے جو محاصرۂ کانپور کی غرض سے جاتے وقت رستہ میں دیہات کو ان کی تمام آبادی کے سمیت زندہ جلانے کی صورت میں سرزد ہوئے۔ اگرچہ ان بزدلانہ مظالم کے عینی شاہدوں کے تفصیلی بیانات میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن میں ناظرین کو ان رنجدہ واقعات کے مطالعہ سے مزید تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا۔

2- Campbell, I, p.280.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سر جارج کیمپبل (Sir George Campbell) نے ان افواہوں کی بھی تحقیقات کی جو غدر کے زمانہ میں نہایت کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ باغیوں نے انگریز عورتوں سے بدسلوکی کر کے اِن کی عصمت دری کی۔ چنانچہ اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ انگریز افسروں اور سپاہیوں نے اشتعال میں آ کر ایسا دردناک انتقام لیا۔ وہ ان تمام افواہوں اور کہانیوں کی صحت سے بالکل انکار کرتا ہے۔ جس کی تصدیق تقریباً تمام مستند مورخین نے بھی کی ہے[1]۔

ایک معزز ہندستانی نے جس نے کافی عرصہ تک حکومت کی ہے غدر کے حالات کو قلمبند کرتے ہوئے جس تدبّر اور فیاضی کا ثبوت دیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی ان فاتحین میں نظر نہیں آتا۔ جنھوں نے غدر کے واقعات کو غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے:

> ”لکھنؤ میں انگریزوں کی چھوٹی سی جماعت نے باغیوں کے بے شمار لشکر کا جس پامردی اور استقلال سے مقابلہ کیا اور خصوصاً جس عجیب طریق پر ہنری لارنس جیسے سچے اور دلآور انگریز کی اچانک موت اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے واقع ہوئی۔ نیز جس بے خوفی اور دلیری سے مُٹھی بھر انگریز بہادروں نے دہلی کے اندر محصور ہو کر باغیوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دی۔ یہاں تک کہ سر جان لارنس (Sir John Lawrence) جیسے بیدار مغز سیاست داں نے پنجاب کو مجبور کر دیا کہ وہ صاف طور سے میدان میں نکل کر صف آرا ہو۔ چنانچہ پنجاب نے ایسے نازک دَور میں حکومت برطانیہ کی تاریخی امداد کر کے ان بہادروں کو آنے والی مصیبت سے بروقت نجات دلائی نیز جس سرعت اور کامیابی کے ساتھ وسط ہندستان سے شمال کی طرف فوجوں کو نقل و حرکت عمل میں لائی گئی اور بندیل کھنڈ اور اودھ میں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے جس قدر مصائب اور تکالیف

1۔ نوٹ: کانپور میں مس ویلر Miss Wheeler کا ہی ایسا مشکوک واقعہ ہے جو غالباً کیمپبل کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی شہادتیں اس بات کے حق میں ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ تمام ایسے زرّیں واقعات ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ چنانچہ انگریزی تاریخ کے صفحات آج بھی شجاعت و دلیری کے ان تمام واقعات سے لبریز ہیں جن کی وجہ سے انگریزی علم ادب میں ایک معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ لکھنؤ کی شجاعت و دلیری کے واقعہ کو ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے عہد کے ملک الشعرا نے اپنی دلفریب نظم میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے اور عہد حاضرہ کے مشہور اہل قلم افسانہ نگاروں نے دہلی کے قبضہ اور جان نکلسن (John Nicholson) کی بہادری کے کارناموں کو نہایت خوبی سے اپنی تصانیف کی زینت بنایا ہے۔ لیکن دوسری طرف غدر کے دوران کے خونی واقعات کو اس کتاب میں قلمبند کرنا یا بحث میں لانا سخت مشکل ہے۔ کیونکہ انگریز اور ہندستانی دونوں کی یہ خواہش ہے کہ فریقین کے مظالم کی یاد کو محو کرنے کے لیے اگر ممکن ہو سکے تو تواریخ کے صفحات سے ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے جائیں۔ بالخصوص وہ واقعات تو سرے سے القط کیے جائیں جو درسی کتب میں اسکول کے طلبہ کو پڑھنے کے وقت یاد کرنے پڑتے ہیں۔ کلائیو (Clive) اور ویلنگٹن (Vellington) کے وقت سے ہندستان میں سینکڑوں جنگ ہوئی لیکن ایسی کوئی لڑائی نہیں ملے گی جس میں فریقین نے اس کثرت سے ایک دوسرے کو وحشیانہ ظلم اور سفاکی کا شکار بنایا ہو جس طرح کہ 1857ء میں اظہار کیا گیا۔ باغی اگرچہ اپنے مذہب اور تمدن کے تحفظ کے لیے اُٹھے تھے۔ لیکن بے پناہ عورتوں اور بچوں وغیرہ کے قتل عام نے ان کے اس اعلیٰ مقصد کو دنیا کے سامنے ذلیل و رُسوا کر دیا۔ دوسری طرف انگریز فوجوں نے راستے میں سینکڑوں میلوں تک سڑک کے دونوں طرف دیہاتوں کو بے دریغ قتل و غارت سے برباد کر کے ملک کو صحرا کی طرح ویران اور سنسان بنا دیا۔ دہلی سے باغیوں کے فرار ہو جانے کے بعد انگریز

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

فاتحین نے باشندوں کا قتل عام کیا اور بے ضابطہ انگریزی عدالتوں کے حکم سے ہزاروں شہری پھانسی کے تختے پر لٹکائے گئے۔ حالانکہ ان کا بغاوت سے دُور کا بھی تعلق نہیں تھا''[1]۔

ہندستانی غدر کی تاریخ (History of the Indian Mutiny) مصنفہ سر جارج فاریسٹ (Sir George Forest) اگرچہ کے ای (Kaye) اور میلسن (Malleson) کی تواریخ کے مقابلہ میں غدر کے حالات پر ایک مستند اور معتبر تاریخ تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس میں بھی ہمارے فوجیوں کی زیادتیوں پر نہایت خوبصورتی سے پردہ ڈالا گیا ہے یعنی اشارۃً یا کنایتاً بھی ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ خاتمہ پر تو آخری تین پھانسیوں کی کیفیت کو نہایت چرب زبانی سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''انصاف کے منشاء کے مطابق کارروائی کی گئی اور ایسے تمام افراد کی جان بخشی کی گئی جن کے خلاف قتلِ عمد کا ثبوت ناکافی تھا۔ چنانچہ ملک کو خون گرانے والوں سے مکمل طور پر پاک وصاف کر دیا گیا''[2]۔

تمام دنیا کی تواریخ کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اگر متذکرہ صدر تصنیف کی ''راست بازی'' کا مقابلہ کیا جائے۔ تو غالباً ایک بھی ایسی مثال آپ کو نہیں ملے گی۔ جس میں اس طرح علی الاعلان بے حیائی سے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

1- Romesh Chandara Dutt, India in The Victorian Age, p.224.

2- Volume III, p.623.

نوٹ: پھر بھی مصنف اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ لکھنؤ کو فتح کرتے وقت دل کھول کر لوٹا گیا اور ایک دفعہ تو مردہ سپاہیوں کی نعشوں کو بھی درختوں پر پھانسی دینے کے لیے لٹکایا گیا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

باب دوم

غدر کے اثرات

(1)

پچھلے باب کے بیان کردہ واقعات کو پڑھ کر بعض دوستوں کے دل میں فطرۃً یہ خیال پیدا ہوگا کہ بہتر ہوتا اگر واقعات کے اس غلیظ کیچڑ کو زمانہ کی تہ کے نیچے ہی بیٹھے رہنے دیا جاتا اور اس طریقہ سے اسے ہلایا نہ جاتا لیکن ہمارے نزدیک یہی طریقہ مناسب تھا۔ کیونکہ بے شمار انگریزی تواریخ کے مطالعہ سے یہی پتا چلتا ہے کہ تمام انگریز مؤرخین نے ہندستانی باغیوں کے سیاہ اعمال اور مظالم کو عالم آشکارا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر اس کے مقابلے میں ہندستانیوں کے مصائب اور ناگفتہ بہ حالت سے ہماری قوم تاحال ناآشنا رکھی گئی لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں نے اہتمام سے غدر کے متعلق کتابوں سے صرف ایسے واقعات اپنی کتاب کے لیے منتخب کیے ہیں جو ہمارے خلاف جاتے تھے۔ مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ جن واقعات کو میں نے اپنی کتاب میں ترتیب دیا ہے اُن کو کسی معنی میں بھی غیر معمولی واقعات کہا جا سکے سوائے ان دو واقعات کے جن میں سے ایک میں تو سکھوں کے مظالم کا ذکر ہے اور دوسرے میں مسٹر کوپر (Cooper) کے شدید مظالم بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں پر میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ میں مسٹر کوپر (Cooper) کی کتاب سے بعض سنگین واقعات کو نقل کیا ہے لیکن میں نے اُن سے بھی

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

زیادہ شدید اور رنجدہ واقعات کو پھر بھی چھوڑ دیا ہے۔ غدر کے متعلق تقریباً تمام دستاویزیں زبانِ حال سے ہماری زیادتیوں کا اعلان کرتی ہیں۔ 1923ء میں غدر کے حالات پر دو کتابیں شائع ہوئیں۔ جن میں سے ایک کا نام لارڈ رابرٹس کے خطوط (Letters of Lord Roberts) اور دوسری کا نام (Miss Sommerrille's Wheel Track) ہے۔ ان ہر دو کتب میں ہماری زیادتیاں بالکل عریاں حیثیت سے ظاہر ہوئی ہیں۔ لیکن دوسری کتاب میں تو مس موصوفہ کے چچا جان کے وہ خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں جو بے انتہا خونریزی کے مظہر ہیں۔ ناظرین کی آگاہی کے لیے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مس موصوفہ اپنے دیگر ہم قوم ساتھیوں کی طرح غدر کے صحیح حالات سے محض نابلد تھی۔ اگرچہ آپ کی اِس محنت شاقہ کا میں اعتراف کرتا ہوں کہ اُن کی کتاب کے مطالعہ سے میرے جیسے بے انتہا انسانوں کو بہت کچھ واقفیت حاصل ہوئی۔ چونکہ اِس ملک میں ہندستانیوں کے متعلق نہ تو کسی قسم کے رحم کا جذبہ موجود تھا اور نہ ہی ان کو حکومت برطانیہ میں اپنے جیسا شہری تصور کیا جاتا تھا۔ اس لیے یہ دونوں کتابیں طبع ہو گئیں ورنہ دوسری صورت میں ان کے شائع ہونے کا کوئی امکان نہ تھا اور ویسے بھی یہ کوئی اعلیٰ درجہ کا علمی کارنامہ نہیں بلکہ محض بعض واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دیا گیا ہے اور بس۔ بالخصوص لارڈ رابرٹس کی کتاب میں تو قطعاً کوئی ادبی خوبی نظر نہیں آتی۔

دوسری طرف جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تو اس جنگ کو اور زیادہ ناموافق رنگ میں پیش کر سکتا تھا اگر میری یہی خواہش ہوتی۔ حالانکہ میں نے تو جنرل نیل (Neill) کے ان کارناموں کو بالکل چھوڑ دیا ہے جو کانپور کے خونی حادثہ سے بدرجہا زیادہ سنگین تھے۔ نیز ہوڈسن (Hodson) کی مشہور زمانہ سنگدلی کی کارروائی کو بھی میں نے نہیں چھیڑا۔ اگرچہ میرے پاس عینی شاہدوں کی دستاویزیں موجود تھیں۔ جن میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ بے شمار دیہات کو ایسے وقت میں جلا کر خاکستر بنا دیا گیا۔ جب کہ عورتیں، بچے اور بوڑھے گھروں کے اندر موجود تھے۔ لیکن میں نے نہایت رحم دلی سے اِن خوفناک واقعات کو اپنی کتاب سے علاحدہ رکھا۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نوٹ: میں آج تک یہ نہیں سمجھا کہ ہوڈسن (Hodson) کے واقع کو اتنی بدنامی کیوں نصیب ہوئی۔ کیا اس کی یہ وجہ تھی کہ مقتول شاہزادے تھے یا اس لیے کہ وہ خود اپنی فوج میں ہر دلعزیز افسر نہیں تھا۔ بہر حال اس افسر کے اس مذموم فعل کی حمایت میں تو پھر بھی کسی قدر کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے بدرجہا زیادہ سنگین مظالم کے واقعات موجود ہیں۔ جو ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں اور دنیا ان سے قطعاً لاعلم ہے۔ مگر ہم ان کو حق بجانب قرار دینے کے لیے اپنے پاس ایک لفظ بھی نہیں پاتے۔

یہاں پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے جتنے واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تو کسی ہندستانی قلم یا زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے۔ مزید براں میں نے شاذ و نادر ہی کوئی ایک فقرہ ''وحشت و بربریت کی آماجگاہ'' یعنی اینگلو انڈین اخبارات یا اس سے کم درجے پر اپنے ملک کے اخبارات سے نقل کیا ہوگا۔ اس لیے جو کچھ اس وقت انھوں نے کہا یا لکھا۔ وہ ہمارے اسلاف کی طرح اب نابود ہو چکا ہے اور موجودہ زمانہ کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ وہ ان تحریرات کو بھول جائے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تلخ اور رنجدہ واقعات خاموشی سے برداشت نہیں کیے جا سکتے۔ اس لیے کہ ایک پوری قوم کے دماغ اس وقت تک بھی ان کی یاد سے آتش زیر پا ہیں۔

(2)

جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ غدر کا اثر جنوبی ہند میں بہت کم ہوا اور نہ ہی آج تک بنگال اس حد تک متاثر ہوا۔ لیکن باوجود اس امر کے کہ بنگالی ہمارے مفروضہ ملازمین اور حلیف کی حیثیت میں شمال مغربی صوبوں میں باغیوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے تھے۔ پھر بھی ہر سال غدر کی تلخ یاد میں کچھ اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ بہار سے لے کر سرحد کے آخری کنارے تک انگریزوں اور ہندستانیوں کے دماغوں میں غدر کی یاد ہنوز زندہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہر دو اقوام کے خیالات اور تعلقات پر گہرا مخالف اثر پڑتا ہے۔ میرے ایک دوست نے کافی عرصہ جنوبی ہند

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

میں مقیم رہنے کے باوجود جب غدر کے علاقوں کا دورہ کیا تو مجھے بتایا کہ کس طرح دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے ان تمام مظالم کو سُنا۔ جب اُس بدترین دَور کی تمام صعوبتیں اور کلفتیں اس کے سامنے بیان کی گئیں۔ جن کو سُن کر اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کی تلخ یاد محو نہیں ہوئی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ سختی اور تیزی کے ساتھ ہندستانیوں کو اس وقت بے چین کر رہی ہے۔ دوسری طرف ہندستان میں مقیم یورپین قوم غدر کے بعد سے اس درجہ خائف ہوگئی ہے کہ نہایت معمولی سے اشتعال انگیز واقعہ سے بھی بھڑک اٹھتی ہے۔ چنانچہ اس کے دُور بین اور محتاط افراد فی الفور مارشل لاء کے نفاذ کی ضرورت پر علانیہ زور دینا شروع کر دیتے ہیں۔ غدر کا نام آتے ہی یورپین قوم کے تصور میں بے شمار وحشی انسانوں کے بھوت بے پناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا بڑھا کر سامنے آجاتے ہیں۔ جس سے وہ اس حد تک متاثر ہوتے ہیں کہ عقل و خرد کھو کر ایسی عجیب و ناشائستہ حرکات کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک دیوانہ مریض بے قابو ہو جاتا ہے جسے دماغ اور ہوش دونوں نے جواب دے دیا ہو۔ چنانچہ ایسی حالت میں خواہ مخواہ اس سے ہمدردی اور رحم کرنے کو دل چاہتا ہے مگر باایں ہمہ یورپین قوم نے اس معاملہ میں اس سے بڑھ کر بُری حرکات کیں۔ ہمیں بارہا یہ بتایا گیا ہے کہ بائیسکوپ کے پردے پر اگر تشدد انہ جرائم کے افسانوں کی تصاویر دکھائی جائیں تو دیکھنے والوں کے دماغوں پر ایک خاموش اور کمزور سا خواب آور اثر ایسا ہوتا ہے کہ جس سے دماغ کے اخلاقی قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں اور خود بخود دیکھنے والے کا دل بھی ویسے ہی قبیح اور خطرناک جرائم کرنے کی طرف رغبت کرتا ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ غدر کا ڈرامہ جس پھرتی اور بلند آہنگی سے کھیلا گیا ہے تو یہ اُسی کا اثر تھا کہ انگریزوں سے ایسی مکروہ اور نازیبا حرکات سرزد ہوئیں جن کی ایک عام صحیح الدماغ انگریز سے ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ بنابریں اس کو ثابت کرنے کے لیے میں ذیل میں تین مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے یہ بخوبی واضح ہو جائے گا۔ کہ ایک صحیح الدماغ انسان سے کبھی ایسی حرکات کی توقع نہیں ہو سکتی۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

(3)

14 رجنوری 1872ء کو ایک سو کے قریب سکھ مذہبی دیوانوں نے پنجاب کے ایک شہر مالیر کوٹلہ پر حملہ کیا۔ جس کے بعد کی تفصیل ایک انگریز مؤرخ کے قلم سے ذیل میں درج کی جاتی ہے:

''اس مقام پر نہایت ہی خوفناک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں فریقین کا بہت نقصان ہوا۔ بالآخر چھیاسٹھ (66) کے قریب سکھ جن میں بائیس (22) کے قریب زخمی تھے۔ ریاست پٹیالہ میں بھاگ کر پناہ گزیں ہوئے۔ جہاں پر ان کا محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا گیا اور اُس رات اُنھیں شیر کوٹ کے قلعہ میں بند رکھا گیا۔ اس شکست کے ساتھ ہی پنجاب میں کُوکوں کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسٹر کوون (Cowan) نے جو اُن دنوں میں لدھیانہ کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ 16 رجنوری کو ریاست کے حکام کو لکھا کہ قیدیوں کو مالیر کوٹلہ بھیج دیا جائے۔ جہاں کہ وہ خود بھی اُسی دن پہنچ گیا اور اُسی شام کے وقت اس نے اپنے قریبی افسر یعنی کمشنر علاقہ کو رپورٹ کی کہ تمام باغیوں کو تقریباً نیست و نابود کر کے مکمل امن قائم کر دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ میرا ارادہ ہے کہ گرفتار شدہ باغیوں کو کل توپوں سے باندھ کر اُڑا دیا جائے۔ لیکن دوسرے دن دوپہر کے وقت یعنی 17 رجنوری کو اُسے مسٹر فورسٹھ (Forsyth) کمشنر کا یہ پیغام پہنچا کہ ابھی قیدیوں کو شیر کوٹ کے قلعہ میں ہی رکھا جائے جب تک کہ ایک حفاظتی دستہ اُن کو واپس لانے کے لیے لدھیانہ سے نہ بھیج دیا جائے۔ مسٹر کوون (Cowan) کہتا ہے کہ میں نے اس تحریری حکم کو تو جیب میں ڈال کر تقریباً فراموش کر دیا اور قیدیوں کا منتظر رہا۔ چنانچہ شام کے چار بجے کے قریب کُوکے قیدی مالیر کوٹلے میں پہنچائے گئے۔ جنھیں دیکھتے ہی مسٹر کوون (Cowan) نے بغیر کسی قسم کی نمائشی عدالت سے حکم لینے کے فی الفور توپوں سے باندھ کر اُڑا دینے کا حکم دے دیا۔ اِن بدقسمت انسانوں کی تعداد پچاس تھی جن کو اُسی وقت چھ چھ کی ٹولیاں بنا کر توپوں سے باندھ کر اڑانا شروع کر دیا گیا۔ شام کے سات بجے کے قریب آخری چھ قیدیوں کی ٹولی کو توپوں سے باندھ چکے تھے۔ جب مسٹر فورسٹھ (Forsyth) کا

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

یہ حکم پہنچا کہ قیدیوں کو فی الفور اُس کے پاس لدھیانہ بھیج دیا جائے جہاں کہ اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ چنانچہ مسٹر کوون (Cowan) نے جو جواب گورنمنٹ کو بعد میں دیا اس میں اس حکم کے متعلق اُس نے ذیل کے فقرات لکھے کہ ''میں نے اس حکم کو پڑھ کر کاغذ مسٹر پرکینز (Perkins) کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ توپوں کے ساتھ باندھ دیے جانے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ ایسی حالت میں قیدیوں کی سزائے موت ملتوی کردی جائے۔ کیونکہ اس کا اثر ہمارے اردگرد جمع شدہ لوگوں پر بہت بُرا پڑے گا''۔ چنانچہ پہلے تینتالیس (43) قیدیوں کی طرح آخری چھ قیدیوں کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ پچاسواں (50) آدمی بھی اُسی طرح اُڑا دیا جاتا۔ مگر اُس نے کسی طرح حراست کے سپاہیوں سے مخلصی حاصل کر کے مسٹر کوون (Cowan) پر حملہ کر دیا اور اس کو ڈاڑھی سے پکڑ لیا۔ مگر ہندستانی افسروں کی سنگینوں نے اُسی وقت اُس کو وہیں ختم کر دیا جو وہاں پر موجود تھے۔ یہ سرگزشت ہے اُس واقعہ کی جس میں مسٹر کوون (Cowan) نے اتنی سرگرمی کا اظہار کیا۔ چونکہ مسٹر فورسٹھ (Forsyth) نے بار بار اس امر پر زور دیا تھا کہ باغیوں کو سزا دینے سے پہلے ان کو عدالت کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے اس لیے 17 رجنوری کو اس نے گورنمنٹ کو بذریعے تار اطلاع دی کہ ''میں موقع پر موجود ہوں۔ اس لیے قاعدے اور قانون کے مطابق بغیر مزید تاخیر کے مجرمین کو قرار واقعی سزا دے دی جائے گی۔ اس وقت کسی غیر معمولی قدم کے اٹھانے کی مطلقاً ضرورت نہیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ دبا ہوا جوش پھر عود نہ کر آئے''۔ لیکن 18 رجنوری کو جب مسٹر کوون (Cowan) نے اس خوفناک حادثہ کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ جس میں اس نے اس قدر یادگار زمانہ شجاعت کا اظہار کیا تھا تو کمشنر صاحب نے ذیل کے جواب سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ ''اس قضیے کو نپٹانے کے لیے جو قدم آپ نے اُٹھایا ہے میں اُس کی پوری تصدیق کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے اس معاملہ میں پوری قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لیے میں بھی فی الفور موقع پر پہنچتا ہوں''۔ چنانچہ آپ مالیر کوٹلہ پہنچے اور مفروضہ قانون کے منشاء کو پورا کرنے کے لیے باقی 16 قیدیوں کو بھی پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ جو اُسی وقت پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

جب اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع گورنمنٹ کو پہنچی تو اس نے مکمل غور کے بعد ذیل کی قرارداد کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کیا:

"ہز ایکسیلنسی اور ممبران کونسل اس رنجدہ حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ اُن کی رائے میں مسٹر کوون (Cowan) کا طرزِ عمل نہ صرف سراسر قانون کے خلاف تھا بلکہ پبلک ضرورت کے بھی منافی تھا۔ نیز اس تمام واقعہ میں بعض ایسے حوادث پیش آئے ہیں جنھیں انسانیت اور تہذیب کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں"۔

بنابریں جناب وائسرائے دلی رنج کے ساتھ اس حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ مسٹر کوون (Cowan) کو فی الفور نوکری سے برطرف کیا جائے۔ لیکن دوسری طرف مسٹر فورسٹھ (Forsyth) کے طرزِ عمل پر سختی سے نکتہ چینی کی گئی اور اُسے ایک اور صوبے میں کمشنر کی حیثیت میں سابقہ تنخواہ پر تبدیل کر دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد یارقند کے علاقہ میں پولٹیکل خدمت پر مامور کیا گیا۔ جہاں کہ حُسنِ خدمات کے صلے میں سرداری یعنی (Knight Hood) کا اعزازی خطاب مرحمت کیا گیا۔

اس حادثہ کے وقوع پذیر ہونے اور متذکرہ صدر احکام کے نافذ ہونے کے بعد ہندستان میں رائے عامہ دو جماعتوں میں تقسیم ہوگئی۔ افسران کی جماعت اور اینگلوانڈین کی ہمدردی تو عام طور پر مسٹر فورسٹھ (Forsyth) اور مسٹر کوون (Cowan) کے ساتھ تھی۔ لیکن باوجود اس کے کہ ہندستانی اخبارات کی آواز بہت کمزور تھی۔ پھر بھی جو ہولناک طرزِ عمل روا رکھا گیا تھا۔ اس کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ میری ذاتی رائے میں تو میں اپنی تمام ملازمت کے زمانہ میں متذکرہ پھانسیوں سے زیادہ مکروہ اور رنجدہ واقعہ کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اکیلی میری ہی رائے نہیں بلکہ کثرت سے ایسے اشخاص موجود ہیں جو میرے ہم خیال تھے۔ بلکہ مستقبل بھی اس رائے کا اظہار کرے گا کہ سنگدلی کے اس مظاہرہ کے بعد گورنمنٹ ہند نے جو سزا دی وہ نہایت ہی ناکافی تھی[1]۔

1- Cotton, India of Home Memories.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

سر ہنری کاٹن (Sir Henry Cotton) نے جس طرح اس واقعہ پر اظہار رائے کیا ہے وہ کسی مزید اضافے کا محتاج نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ سر ہنری کے متذکرہ صدر فیصلہ کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جائے۔ اس لیے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ سر ڈگلس فورسٹھ (Sir Douglus Forsyth) کی اپنی رائے کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''بہ حیثیت کمشنر اور ہندستانی ریاستوں کے سپرنٹنڈنٹ ہونے کے سزائے موت دینے یا جان بخشی کرنے کا اختیار صرف مجھے ہی حاصل تھا۔ نہ کہ مسٹر کوون (Cowan) کو۔ چنانچہ میں نے لدھیانہ سے اُس کو صاف طور سے حکم بھیج دیا تھا کہ وہ صرف مجرموں کا قانونی طور پر مقدمہ کرے۔ لیکن سزا اُس وقت تک ہرگز نہ دے جب تک کہ میں خود وہاں پر پہنچ نہ جاؤں۔ مگر مسٹر کوون (Cowan) نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر نہ صرف میرے حکم کے ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ وہ ملزموں کو توپوں سے باندھ کر اڑا دیں''۔

''مسٹر کوون (Cowan) کی طرف سے جب مجھے یہ اطلاع ملی تو میں نے اُس تمام قانونی خلاف ورزی کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینی پسند کی۔ بنابریں میں نے اُس کو فی الفور ایک خط لکھا کہ بحالاتِ موجودہ تم نے جو قدم اٹھایا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں''۔

''جس وقت کہ وہ ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تو میں نے حتی الامکان اس کی امداد کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ چنانچہ میں نے ہندستان میں ہی اُسے ایک اچھی ملازمت پر نوکری دے دی''[1]۔

مالیر کوٹلہ کا حادثہ فاجعہ بھی اُن کثیر حوادث میں سے ایک ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ

1- Autobiography of Reminiscences of Sir Dougles Forsyth, p.36,37,42.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

اگر چہ اینگلوانڈین اخبارات نے ایسے حوادث کے حق میں نہایت بلند آہنگی سے مضامین لکھے۔ لیکن اس کے باوجود گورنمنٹ انڈیا نہایت مجبوری اور بیدلی کے ساتھ ہندستانی رائے عامہ کے سامنے جھکی اور اُسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے افسران سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ مزید برآں غدر کے چودہ سال کے بعد گورنمنٹ نے بادلِ ناخواستہ اس امر کو تسلیم کیا کہ انسانوں کو توپوں سے باندھ کر ہلاک کرنا ایک وحشیانہ فعل ہے۔ مگر مفروضہ عدالتی کارروائی کے بغیر بے شمار انسانوں کو اس طرح بیدردی سے ہلاک کر دینے کی کارروائی بھی صرف پنجاب کا ہی خاصہ ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی معمولی جرائم پر ''فی الفور درشت انتقامی کارروائی'' کرنے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔ جس کو یہاں کے حکام نے ہمیشہ پسند کیا اور بے حد تعریف کی۔ جس طرح ہم ان مظالم کی سرگزشت سُن کر جو فرانس اور پرشیا کی لڑائی میں روا رکھے گئے تھے۔ ''پستہ قد نپولین'' کو ہی ان مظالم کا ذمہ دار گردانے میں حق بجانب ہیں تو اسی طرح پنجاب کے اس ہولناک حادثہ کو بھی غدر کے اُس ''پستہ قد نکلسن'' کے افعال اور مظالم کا نتیجہ قرار دینے میں زیادہ مجبور نظر آتے ہیں۔

(4)

میں قارئین کرام کو افغانستان کی دوسری لڑائی کی اُلجھی ہوئی سرگزشت سنانا نہیں چاہتا۔ لڑائی کچھ عرصہ کے لیے بند ہوگئی اور ایک عہدنامہ کی رُو سے سرلوئی کیوینگناری (Sir Louis Cavangnari) کو ہمارے سفیر کی حیثیت سے کابل میں متعین کیا گیا۔ اگر چہ اس کی سلامتی کے متعلق لارڈ لارنس (Lord Lawrence) کو اطمینان نہ تھا۔ چنانچہ یکا یک یہ اطلاع ملی کہ ہمارا سفیر اپنے تمام ساتھیوں کے سمیت قتل کر دیا گیا اور ریذیڈنسی کے مکان کو جلا دیا گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی لارڈ رابرٹس (Lord Robarts) نے پھرتی کے ساتھ فوج کو کوچ کا حکم دے دیا اور اکتوبر میں کابل پر قبضہ کرلیا۔ شجاعت اور تدبر کی یہ ایسی زرّیں مثال ہے جو دنیا میں آج بھی ویسی ہی چمکتی ہے۔ قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کے قتل اور جھنڈے کی بے عزتی کی بنا پر سخت انتقامی کارروائی شروع کی گئی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''فوجی قانون یعنی مارشل لا کا فی الفور اعلان کیا گیا اور لوگوں کی ٹولیاں بنا کر دھڑا دھڑ پھانسیاں دینی شروع کر دی گئیں اور ساتھ ہی امیر یعقوب خان کو ہندستان میں جلا وطن کر دیا گیا۔ فصلوں کو بے دردی سے تباہ کیا گیا اور دیہات کو بیدریغ آگ کے نذر کیا گیا''[1]۔

''میں کسی کو بھی اُس وقت تک مجرم قرار دینے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ جب تک جرم کے یقین میں ثبوت نہ مل جائے۔ حالانکہ وزارتِ خارجہ کا یہ حکم تھا کہ ''سزا کم سے کم عرصہ میں سخت اور عبرتناک'' دی جائے۔ مگر یہ تو اُسی وقت ہوسکتا ہے۔ جب مجرم کے متعلق ہمیں پہلے سے پوری واقفیت حاصل ہو۔ ورنہ ہمیں تو بہر حال سزا دیتے وقت پوری تحقیقات کرنی لازمی ہوگی۔ میں تو ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتا کہ بیدریغ قتل و غارت سے ہمیں کوئی فائدہ مترتب ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس قسم کی کارروائی میں کبھی امداد نہیں دے سکتا''[2]۔

''22/اکتوبر۔ آج پانچ آدمیوں کی جان بچائی۔ یعنی میں اگر اُن کے معاملے میں بروقت مداخلت نہ کرتا تو یہ غریب ہلاک کر دیے جاتے۔ ان میں سے ایک ملزم ابوبکر نامی ایک سوداگر تھا۔ جس کے برخلاف سب سے خطرناک مگر بالکل بے بنیاد گواہی اس کے ایک بدترین دشمن کی تھی''[3]۔

''سر ڈانلڈ اسٹیوارٹ (Sir Donald Stewart) کی بجا طور پر تعریف کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ اس قسم کے وحشیانہ مظالم کی مخالفت کی تھی''[4]۔

1- Cotton, Indian of Home Memories, P.172.

2- Life of opinions of Sir Sharles Macgreger Roberts (chief of the staff) ii, p.136, Entry in Diary.

3- Macgreger,ii, p.140,141. 4- Cotton, p.172.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

''کابل جو ہمیشہ خونریزی اور بدامنی کے لیے بدنام تھا۔اب شہر خموشاں کی طرح بے حس وحرکت ہے۔اس لیے کہ پھانسی کا بھوت تمام شہر پر سایہ فگن ہے۔یہاں تک کہ اس کے اثر سے وہ بدمعاش بھی نہیں بچ سکے جو شہر کے تنگ وتاریک گوشوں میں پناہ گزیں ہو کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھا کرتے تھے۔پٹھانوں کو قتل وغارت کی جرأت محض اس بھروسے پر ہوئی کیونکہ وہ اس سے پیشتر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہم فطرتاً رحم دل ہیں۔لیکن جدید درشت پالیسی کے زیر اثر انتقام لینے کے جو ہولناک طریق ہم نے اختیار کیے ہیں ان سے اُن کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔جنرل پولک (Pollock) کی طرح اگر جنرل رابرٹس چاہتا تو تمام بازاروں کو ویران کر کے کابل کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیتا۔لیکن خواہ ہم کابل سے واپس جائیں یا یہیں پر قابض رہیں۔یہ ناممکن ہے کہ عرصۂ دراز تک ہمارے جلادوں کے افسانے دیہات اور شہروں میں بسنے والے پٹھانوں کی یاد سے محو ہو جائیں۔مزید برآں ابھی کون کہہ سکتا ہے کہ اور کتنے بڑے بڑے آدمی پھانسی کے تختے کا انتظار کر رہے ہیں''[1]۔

''پھر اس کا کیا نتیجہ نکلا۔یہ کہ اشتعال اور غصہ سے بھڑکے ہوئے قبیلوں نے ہزاروں کی تعداد میں اعلان جنگ کر دیا اور آناً فاناً چاروں طرف سے تباہی اور بربادی کے بادل گھر گئے گر اس تاریکی میں شجاعت اور دلیری کے روشن کارنامے بھی سرزد ہوئے۔لیکن لارڈ رابرٹس (Roberts) نے کابل کے نواح میں موضع شیر پور میں اپنے آپ کو نہایت ہی خطرناک حالت میں محصور پایا''[2]۔

''سر چارلز میکریگر (Sir Charles Macgreger) نے اپنے زیر اہتمام

1- The Afghan War 1879-80, p.139 by Howard Hensman correspondent pieneer (Allahabad), The daily News (London).

2- Cotton, p.172.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

افغانستان کی دوسری لڑائی کے متعلق ایک بڑی ضخیم کتاب کو ترتیب دینے کا اہتمام کیا جو چھ جلدوں میں تیار ہوئی۔ لیکن گورنمنٹ ہند کے حکم سے اس کی اشاعت روک دی گئی''[1]۔

یہ اخبار نویس جس کے مضمون کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ حسب معمول بعض مشہور فوجیوں کے مقابلہ میں زیادہ تند خو ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اُس نے اس مضمون کے آخر میں یہ پیشگوئی بھی کردی تھی۔ کہ کابل کے واقعات کے خلاف انگلستان کے ''احمق اور جاہل طبقہ'' کی طرف سے یقیناً مخالفت کی جائے گی، جو بعد میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ ایک اور اعتراض جو اس مضمون کے دوران میں مجھے کھٹکا تھا، یہ ہے کہ ''افغانستان ہمیشہ ہی ایک خاموش مگر دغاباز دشمن ثابت ہوا ہے''۔

(5)

غدر سے مغلوب شدہ دماغ کی پراگندگی کی تیسری مثال اپریل 1919ء میں امرتسر کے جلیا نوالہ باغ کا حادثہ ہے جس کی ٹیس ہندستانی دماغوں میں تا حال محسوس ہو رہی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جنرل ڈائر (Dyer) کی حالت کا بغور مطالعہ کیا جائے کہ وہ اس وقت کس قدر خطرناک مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ اگرچہ آج سے ساٹھ سال پہلے امرتسر کو پر (Cooper) کے سنگدلانہ مظالم کی جولانگاہ رہ چکا تھا۔ پھر بھی اُس وقت یہ شہر سکھوں کی مذہبی دیوانگی اور حب الوطنی کا مرکز تھا۔ چنانچہ عام بے اطمینانی اس حد تک فروغ حاصل کر گئی تھی کہ اس پر کوئی قابو نہ رہا تھا۔ یہاں تک کہ عام پبلک نے نہایت وحشیانہ قتل کا اقدام کیا اور ابھی اور ایسی ہی مذموم حرکات کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ مزید برآں انھوں نے عیسائی لڑکیوں کے اسکول میں آگ لگا دی۔ مگر اتفاق سے غریب بچیوں کی جانیں آگ کی نذر نہ ہو سکیں۔ لیکن دوسری طرف باغ میں جلسے کا انعقاد اس غرض سے عمل میں نہیں لایا گیا تھا۔ کہ وہاں پر امن اور سکون سے کسی

1- Dictionary of National Biography.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

متنازع فیہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا تھا اور نہ ہی وہ غیر مسلح تھے۔ سوائے اس حالت کے اُن کے پاس بندوقیں وغیرہ نہیں تھیں۔ عوام میں اکثر تو لاٹھیوں سے مسلح تھے اور بعض تو بڑے بڑے لٹھ اُٹھا ہوئے تھے۔ جن سے عام طور پر ہندستانی کسان اپنی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ انہی اَوزاروں سے انھوں نے بعد میں قتل و غارت شروع کی۔ جنرل ڈائر چھوٹے سے فوجی دستے کو لے کر جلسہ گاہ میں پہنچا اور انسانوں سے بھرے ہوئے نشیبی قطعہ میں فی الفور گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ دس منٹ کے اندر اندر اُس نے انسانوں کی اتنی تعداد کو ختم کر دیا جتنی کہ جنوبی افریقہ میں بوئر جنگ (Spionkop) کی خونریز ترین لڑائی میں دو دن کی مسلسل اور پیہم جنگ کے بعد ضائع ہوئی تھی۔ یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فوجی ضرورت کے لحاظ سے اُس کا یہ فعل صحیح نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت تک گولی چلاتا رہا۔ جب تک کہ بارود ختم نہیں ہو گیا۔ یعنی اُس نے اُس سنجیدہ امانت کا جو اُس کے سپرد کی گئی تھی۔ نہایت بُری طرح استعمال کیا۔ چنانچہ اپنی شہادت کے دوران میں اُس کا یہ مقصد تھا کہ وہ ایسی سخت کارروائی کرے جس سے لوگوں میں ہیبت پھیل جائے اور دُور دُور تک اُس کا اثر پڑے۔ اگرچہ اس شہادت سے اُس نے اپنے ساتھ خود دشمنی کی ہے اور کسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کوئی اُس کے حق میں ایک لفظ بھی کہہ سکے مگر پھر حس بے خوفی اور دیانتداری سے اس نے شہادت دی ہے اس کے لیے اس کی خواہ مخواہ تعریف کرنی پڑتی ہے۔ لیکن زخمیوں کو بغیر طبّی امداد کے پڑے رہنے دینا اور ایک ایسی جگہ کو لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے دیکھ کر بھی رات بھر لوگوں کی امداد سے بند کر رکھنا ایسا دردناک منظر ہے۔ جس پر اس وقت بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ آگے چل کر اظہار خیال کروں گا۔

لیکن اس وقت تو ہمارا مبحث یہ ہے کہ جو کارروائی ہم نے جلیانوالہ باغ میں کی یا اس کے بعد جو شور و ہنگامہ انگریزوں نے برپا کیا۔ اُس کی تہ میں وہی جذبۂ انتقام نظر آتا ہے اور ہمارے دماغوں پر وہی بحث طاری ہے جو حادثۂ کانپور کی خبر سننے کے بعد یا باغیوں کے ہاتھوں انگریز مستورات کی بے حرمتی کی بے بنیاد اطلاعات پہنچنے کے بعد ہوئی تھی یعنی ہم توازن دماغ کھو بیٹھے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی ہماری حالت بعینہٖ یہی تھی۔ یعنی خطرے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہم نے فی الفور وہی سنگدلانہ حرکات کرنی شروع کر دیں۔ جو غدر کے وقت مؤثر ثابت ہوئی تھیں۔ چنانچہ پندرہ منٹ کے اندر اندر جلیانوالہ باغ میں پندرہ سو (1500) انسانوں کو ختم کر دیا گیا۔ حالانکہ ہندستانی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مقتولین کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ مگر یہ وہ تعداد ہے جسے سرکاری طور پبلک تحقیقات کے وقت تسلیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکاری افسران کے دماغ اپنے ہم عصر فوجی افسر کے اس وحشیانہ فعل سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کو حق بجانب کہنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ اس امر کی پوری کوشش کی گئی کہ اس ہولناک خبر کی اشاعت نہ ہو سکے۔ مگر وہ ناکام رہے اور یہ خبر بجلی کی رَو کی طرح ہندستان کے گوشے گوشے میں پہنچی یہاں تک کہ تیس کروڑ ہندستانیوں کو تڑپا کر ایک متحدہ محاذ پر کھڑا کر دیا۔ یہ ایک ایسا زبردست نتیجہ ہے جو ہزار سال سے ہندستان میں کبھی نہ ہوا تھا اور ویسے بھی یورپین قوم کے لیے ایک نہایت ہی زبردست خطرہ ہے۔ دوسری طرف ہنٹر کمیٹی (Hunter Committee) کی معتدل رپورٹ شائع ہونے کے بعد اینگلو انڈین اخبارات میں بے انتہا گمنام چٹھیاں شائع کر کے اس رپورٹ سے بیزاری کا اظہار کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ جنرل ڈائر (Dyer) کی ''محسنِ خدمات'' کے صلے میں تیس ہزار پونڈ کی رقم انگریزی قوم سے چندہ کر کے جمع کی گئی۔ جس کا بیشتر حصہ ہندستان میں مقیم انگریزوں کی جیبوں سے فراہم کیا گیا تھا۔ یقیناً اس وقت بھی ایسے یورپین ہندستان میں موجود ہوں گے جنھوں نے محسوس کیا ہوگا۔ کہ اس ذلیل ذہنیت کا اظہار کر کے ان کی قوم نے نہ صرف اپنے آپ کو بے وقوف بنایا ہے بلکہ دنیا کی نظر میں ذلیل و رُسوا کیا ہے۔

(6)

اگر ہمیں بہتر تعلیم نہ دی گئی تو ہم اسی طرح معمولی سے اشتعال پر بھی دنیا کی نظر میں بیوقوف بنتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم نے جنرل ڈائر (Dyer) کی اس مذموم حرکت کے خلاف نفرت و حقارت کی آواز بلند کرنے کے حق کو زائل کر دیا ہے۔ کیونکہ اجتماعی حیثیت میں

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

ہم سب ذمہ دار تھے۔ وہ ہمارا نمائندہ تھا اور ہمارے مقابلے میں زیادہ دلیر اور کم بیوقوف تھا۔ لیکن اُس کے اس طرزِ عمل کے ذمہ دار براہِ راست وہ خیالات تھے جو ہندستانیوں کے متعلق غدر کے بعد سے ہم نے اپنے اسلاف سے وارثت میں حاصل کیے تھے۔ یعنی کوپر (Cooper) اور کوون (Cowan) کے بھوت یقیناً اُس وقت جلیانوالہ باغ کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔

مجھے سخت تعجب ہوگا۔ اگر ان واقعات کے مطالعہ کے بعد بھی ناظرین میرے ساتھ اس امر میں متفق نہ ہوں گے کہ غدر کے متعلق جو حالات ہماری تواریخ میں قلمبند کیے گئے ہیں ان پر نظرِ ثانی کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اگر کوئی چیز اُن کی کامل تشفی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان تمام واقعات کے بیان کرنے میں ایک دوسرے کی تردید تو نمایاں طور سے دکھائی دیتی ہے۔ مگر باایں ہمہ یہ صرف کانپور یا میرٹھ کے خونی واقعات کے جوش کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ناظرین جو عام حالات میں واقعات کو تنقید کی عینک سے پرکھنے کے عادی ہوا کرتے ہیں۔ غیر محسوس طور پر متاثر ہو کر اُنہی بیانات کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں خواہ اُن میں کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو یا واقعات کو توڑ مروڑ کر ہی پیش کیا گیا ہو بلکہ اکثر دفعہ تو وہ ایسے معمولی سوالات سے بھی گریز کرتے ہیں جن پر ایک دو سیکنڈ کے غور سے پیش کردہ بیانات کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔ بہرکیف جب وقتی جوش کے سحر کا اثر زائل ہو جاتا ہے تو دماغ اُن حوادث کی خفیف سی یاد پر بھی منصفانہ غور و خوض کے لیے آمادہ ہوا کرتا ہے بشرطیکہ خیال اور عمل کے قویٰ ہمیشہ کے لیے شل اور بیکار نہ ہو چکے ہوں۔ غدر کو گزرے ہوئے ابھی ستر (70) سال ہوئے ہیں۔ لیکن اس قلیل مدت میں بھی گو اِس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پھر بھی اس کو اس حد تک صاف بیانی اور تحقیق سے پبلک کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ بخلاف اُن واقعات و حوادث کے کہ جن کو گزرے ہوئے صدیاں ہو چکی ہیں۔

غدر کے بہادروں میں ایک قسم کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جان نکلسن (John Nicholson) سے مجھے ایک گونہ فریفتگی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی زندگی کے حالات مصنفہ ٹراٹر (Trotter) کا مطالعہ کیا۔ جسے اب بھی بیشتر اصحاب پڑھتے ہیں۔ اس

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کتاب میں کسی زندہ انسان کو پیش نہیں کیا گیا بلکہ ایک ''رواجی بزرگ'' کی تصویر دکھائی گئی ہے جو ایک معمولی مصور کی شرمندۂ احسان ہے۔ اس کتاب سے زیادہ خشک اور بے رغبت کتاب شاید ہی کسی اور زبان میں لکھی گئی ہو۔ بااین ہمہ جان نکلسن (John Nicholson) زندہ تھا۔ لیکن اس کی دوسری خوبیوں یا بُرائیوں سے قطع نظر کر کے کم از کم اتنا تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ احمق نہیں تھا۔ اس کی سوانح کے مطالعہ سے دل میں ایک طرف تو پُر جوش محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے جو ایک قسم کی والہانہ پرستش تک پہنچ جاتے تھے۔ مگر دوسری طرف غم و غصہ کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ اُس کی وفات ایسے وقت میں ہوتی ہے۔ جب کہ مغلوں کی قسمت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور ایسے وقت میں اُس نے جان دی جب کہ ایک طاقتور شہر اپنی جملہ روایات کے ساتھ اُس کے قدموں کے نیچے آ رہا تھا۔ وہ ایک بجلی کی مانند چمکا اور دنیا نے اُس کی کڑک اور روشنی کو دیکھا۔ لیکن تھوڑے ہی وقفہ کے بعد فتح یاب جرنیل تو مردہ تھا۔ اگر چہ اپنے پیچھے وہ شاندار نتیجہ چھوڑ چکا تھا۔ سر جارج فاریسٹ (Sir George Forest) کی طرح یہ کہنا تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ جان نکلسن انیسویں صدی کے دلیر افسران میں سے نہیں تھا۔ بلکہ شاہ آرتھر (Arther) کے ''مشہور زمانہ بہادر سرداروں Knights'' کے مشابہ تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سر جارج کیمپبل (Sir George Campbell) اپنے مخصوص اور محتاط طریقے میں جان نکلسن کا جو خاکہ پیش کرتا ہے۔ وہ زندہ انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''اگر چہ ذاتی طور پر میں اُس سے شناسا نہیں تھا۔ لیکن یہی خیال کیا کرتا تھا کہ وہ نہ صرف ایک مضبوط اور بہادر انسان ہے بلکہ اپنے بعض افعال میں تشدد کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ چنانچہ ان حالات کے علم حاصل کرنے کے بعد جو اُس کے مداحوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں۔ ہمیں لامحالہ اب یہی کہنا پڑتا ہے کہ وہ بہت ہی تند خو انسان تھا۔ باسورتھ سمتھ (Boswarth Smith) نے

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

لارڈ لارنس (Lawrence) کی سوانح حیات قلمبند کرتے وقت اگرچہ جان نکلسن (John Nicholson) کی بے انتہا تعریف کی ہے۔ مگر اس کے بیان کردہ واقعات اس تعریف کے بالکل خلاف جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات تو یقینی طور پر مسلّم ہے کہ وہ بہت سرکش اور گستاخ تھا۔ یہاں تک کہ وہ نہایت نازیبا طریق سے لارڈ لارنس تک سے بھی گستاخی سے پیش آیا"[1]۔

"نکلسن اور اس قماش کے اور سرکش اور گستاخ آدمیوں نے لارڈ لارنس (Lawrence) کی شان میں "بوڑھی عورت" کے آوازے کسے"[2]۔

کیمپبل (Campbell) نے نکلسن (Nicholson) کی شہرت کے متعلق روایات پر جس نفرت کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر انصاف نہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اُن کے حق میں شہادت موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکلسن (Nicholson) کی شہرت اور ناموری سے چڑ گیا تھا اور بہت ممکن ہے کہ شاہ آرتھر کے سرداروں والی تمثیل سُننے کے بعد وہ اور زیادہ ہرزہ سرائی کرتا۔ لیکن اس کا یہی تعصب صاف طور سے ظاہر کرتا ہے کہ کوئی غیر معمولی شخصیت بروئے کار تھی۔ جس کی بنا پر اِس قسم کا اظہار کیا گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نکلسن سے ملاقات کے سلسلے میں ہی ناراضگی پیدا ہوگئی۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ غدر کے ایام میں اور اس کے بعد بھی وہ ایسے اشخاص سے ملتا رہا جو نکلسن سے بخوبی واقف تھے جن میں لارڈ لارنس (Lawrence) بھی ایک ہے۔ ناظرین بخوبی جانتے ہیں کہ کھانے اور ٹینس کے بعد گفتگو کا انداز کیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے اشخاص کے ساتھ جنھیں خود بھی غدر کے واقعات سے کافی دلبستگی تھی اور اُن کی وجہ سے نکلسن کو شہرت حاصل ہوئی۔ یقیناً بہت سی گفتگوئیں ہوئی ہوں گی جن میں نکلسن کا ذکر کیا گیا ہو۔ جس کی تھوڑی سی جھلک تو سرکاری رپورٹوں میں بھی نظر آتی ہے۔

اسی طرح دوسری مشہور کتب کے مطالعہ سے مشاہیر غدر مثلاً نیل (Neill) ہیویلاک

1- Campbell, i, p.248,249. 2- Campbell, i, p.235.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

(Harelock) اور ہوڈسن (Hodson) وغیرہ کے متعلق بھی طبیعت پر یہی اثر پڑتا ہے کہ وہ مذہبی گیت نہایت رغبت سے گایا کرتے تھے اور ان کے ماتحت سپاہی ان سے بے انتہا عقیدت اور پرستش کا اظہار کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کے سرکاری کاغذات کے سرسری مطالعہ سے انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان بہادروں کے مشاغل اس کے علاوہ بھی تھے۔ چنانچہ سر جارج کیمپبل لکھتا ہے کہ:

''نیل (Neill) اُن انسانوں میں سے ہے جنھوں نے شہرت اور ناموری کے زینہ تک نہایت ہی بُزدلانہ تشدد کی کارروائیوں سے رسائی حاصل کی ہے اور اُس وقت اُس کی اچانک موت کی وجہ سے اعتراض اور نکتہ چینی روک دی گئی تھی۔ لیکن اب جب کہ اس کا نام قدیم تاریخ میں شامل ہو چکا ہے تو اُن غیر جانبدارانہ اطلاعات کی بنا پر جو مجھے حاصل ہوئیں، نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی خاص خوبی نہیں تھی۔ چنانچہ مسلسل سفا کی اور خونریزی کی کارروائیوں کو جس طرح جنرل نیل (Neill) نے پسند کیا اور لدھیانہ کی پلٹن کے تلف ہونے میں جس عدم تدبر اور انتہائی نا قابلیت کا ثبوت دیا۔ نیز الہ آباد میں تشدد اور عدم اعتماد کی پالیسی نے فیروز پور کی پلٹن کو تقریباً بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ حالانکہ وہ میرے نزدیک لدھیانہ کی پلٹن کے بعد ایک عزیز اور قابلِ قدر پلٹن تھی۔ متذکرہ صدر ناعاقبت اندیشانہ حرکات ایسی ہیں جن کی بنا پر جنرل نیل کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا''۔[1]

(7)

وہ دن دُور نہیں جب ہماری خواندہ پبلک کے سامنے غدر کے صحیح اور مستند حالات پیش کیے جائیں گے جو سابقہ تواریخ کی طرح محض پروپگنڈا کی خاطر مرتب نہیں ہوں گے کہ جس سے

1- Campbell, i, p.281,282.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پڑھنے والے کے دماغ میں انگریز تو فرشتۂ رحمت کی طرح ظاہر ہوں اور ہندستانی ظلمت و جہالت کے پیامبر بتائے جائیں۔ اگرچہ ہمارے بعض مورخین نے جھانسی کی رانی کے حالات قلمبند کرتے ہوئے دبی زبان سے اس کی بہادری کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ باغی افسران میں سے مہارانی غالباً سب سے زیادہ بہادر اور قابل تھی۔ یہاں تک کہ سر ہیوروز (Sir Hug Hrose) جس نے رانی صاحبہ کو شکست دی تھی۔ اُس نے بھی مہارانی کے حق میں تعریفی جملے استعمال کیے ہیں۔ جس بہادری اور شجاعت سے مہارانی صاحبہ ہمارے خلاف لڑی۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے جان دے دی۔ ہندستانیوں کے نزدیک مہارانی لکشمی بائی جھانسی کی رانی ویسی ہی مقبول اور معزز ہے جیسی کہ جون آف آرک (Joan of Ark) فرانسیسیوں کے نزدیک۔ چنانچہ ایک دن یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے بے نقاب ہو جائے گی جس سے ہم بخوبی سمجھ سکیں گے کہ وہ حالات کیا تھے۔ جن کی بنا پر مستورات اور بالخصوص ہندستانی مستورات کے دلوں میں ہماری قوم کے خلاف اس قدر شدید نفرت و حقارت کا جذبہ کیوں پیدا ہوا جس نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ ہمارے خلاف مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں نکل آئیں۔ صرف جھانسی کی رانی اور اس کی بہن نے ہی ہمارے خلاف غدر میں حصہ نہیں لیا بلکہ اُن کے علاوہ اور بھی مستورات اس جنگ میں شامل ہوئیں۔

> ''جھانسی میں انگریز مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت بے ایمانی سے بیدریغ قتل کیا گیا جو اپنی شیطنت اور سفاکی کے اعتبار سے ایک چھوٹے سے پیمانہ پر کانپور کے خونی واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے''[1]۔

مہارانی صاحبہ نے اگرچہ عنانِ حکومت اس واقعہ کے تین دن بعد سنبھالی۔ لیکن اِس قتل و غارت کی ذمہ داری سے اس کا دامن پاک نہیں ہے۔ بلکہ انگریز قوم کے خلاف جس نفرت و حقارت کا اظہار رانی صاحبہ نے بعد میں کیا۔ اس سے میں تو اپنے آپ کو اِس امر کے باور کرنے میں حق بجانب سمجھتا ہوں کہ اِس تمام قتل و غارت گری میں مہارانی صاحبہ اور اس کا والد

1- Oxford History of India, p.721.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

برابر کے شریک تھے۔ جسے جھانسی کی فتح کے بعد ہم نے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا۔ لیکن غدر کے اتنے عرصہ بعد بھی مؤرخین نے مہارانی صاحبہ کی نفرت کو ایک حد تک حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کی بہادری کی بہت تعریف کی ہے۔

مونٹ گمری مارٹن (Montgomery Martin) غدر کے اختتام کے زمانہ میں لکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ اینگلوانڈین پریس نے ایک اور باغی لیڈر کی بھی تعریف کی ہے۔ جس کا نام شہزادہ فیروز شاہ ہے۔ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے دہلی میں باغیوں کے ہاتھوں انگریزوں کے قتل عام کو بچانے کی بہت کوشش کی۔ چنانچہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ دہلی کی فتح کے بعد اُس کا پھانسی دیا جانا ایک لازمی امر ہے۔ پھر بھی وہ نہایت شجاعت اور استقلال سے میدانِ جنگ میں اِس مقصد کی تکمیل کے لیے برابر ڈٹا رہا اور بالآخر جب دہلی فتح ہوگئی تو وہ کسی طریقے سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ جس پر اُس کے مخالفین نے بھی اِس طرح فرار ہو جانے پر کسی قسم کے افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ ایک طرح سے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کی شہ زوری اور موت کی آغوش سے جوانمردی کے ساتھ صحیح وسلامت رہنے کے واقعات۔ افسانوں کی صورت میں زبان زدِ خلائق ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ 1864ء تک ہندستان کے جنگلوں میں چھپ کر زندگی بسر کرتا رہا اور اس کے متعلق آخری اطلاع 1866ء میں یہ تھی کہ وہ عربستان میں فقیر کی حیثیت میں دیکھا گیا[1]۔

(8)

آج سے ایک سو سال بعد یقیناً ایک دن ایسا آئے گا جب کہ غدر کے متعلق تمام واقعات اور ہندستانی روایات کا سختی سے احتساب کیا جائے گا اور اس پر تعصب یا پروپگنڈا کی حیثیت سے

1۔ نوٹ: یہ غلط ہے کہ شہزادہ فیروز شاہ انگریزوں کے قتلِ عام کے وقت دہلی میں موجود تھا کیونکہ وہ غدر سے پہلے مکہ معظمہ گیا ہوا تھا۔ جہاں سے وہ ہندستان کے ساحل پر اُس وقت اُترا جب غدر پھیل چکا تھا۔ چنانچہ یہ سمجھ کر غدر دراصل ہندستان کی آزادی کے لیے جنگ ہے۔ وہ سیدھا میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کہ وہ انگریز بچوں اور عورتوں کے قتلِ عام کے بعد پہنچا۔ (مصنف)

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

نہیں بلکہ خاص تاریخی اعتبار سے نظر ڈالی جائے گی۔ جس کے بعد وہ ایک مستند صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یقیناً غلامانہ زندگی کی یہ ایک نہایت ہی خوفناک کہانی ہوگی۔ چنانچہ اس کے بعد ہمارے لیے یہ ناممکن ہوگا کہ ہم کانپور کے سفاکانہ قتل و غارت گری کے واقعہ کو یہ کہہ کر اپنے سر سے ٹال سکیں گے کہ:

''غصّے اور انتقام کے صحیح جوش میں ہماری فوجوں نے نہایت خوفناک بدلہ لیا''[1]۔

یا یہ کہ:

''جنرل ہیویلاک (Harelock) نے 16 رجولائی کے دن نانا صاحب کو شکست دے کر کانپور پر قبضہ کرلیا۔ جس کے بعد شہریوں سے بجا طور پر نہایت بے رحمی اور سفاکی سے انگریزوں نے انتقام لیا''[2]۔

مجھے اندیشہ ہے کہ مصنف کی معتدل تحریر کے باوجود ناظرین غدر کے واقعات کی سفاکی اور بے رحمی کو ٹھنڈے دل سے پڑھ کر فراموش نہ کرسکیں گے۔ جس کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

''اگرچہ سرسری طریق سے باغی سپاہیوں کے خلاف منتقمانہ کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ پھر بھی ان کو خلافِ انسانیت سمجھ کر ہمارے سپاہیوں کے خلاف سختی سے نکتہ چینی کی گئی اور دوسری طرف لارڈ کیننگ (Canning) کو محض اس وجہ سے موردِ الزام قرار دیا گیا کہ اس نے باغیوں کے معاملات میں عفو و جاں بخشی کی پالیسی کو کیوں اختیار کیا۔ بہرکیف سول اور فوجی افسران کی کارروائیوں کو عام طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ کیونکہ اُنھیں کی سرگرمی اور قابلیت سے غدر کی آگ فرو ہوئی''۔

اس قسم کی تحریر کسی معنی میں بھی تاریخی حیثیت میں شمار نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کسی اور مضمون

1- Oxford History, p.719.

2- Letters of Queen victoria by A.C.Benson of Viscount, III, p.224.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

میں ایسی تحریرات برداشت کی جاسکتی ہیں۔ جو عقیدت کہ ملکہ معظمہ کے متعلق ہندستانی قلوب کے اندر موجود تھی۔ اس کی بناء پر پہلے سے ہی یہ قیاس کرلیا گیا تھا کہ مشرق میں ان کی رعایا ان خطوط کو نہایت دلچسپی سے پڑھے گی۔ حالانکہ یہی وجہ مصنف کو مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا کردیتی ہے کیونکہ اِن خطوط کو ترتیب دیتے وقت اس نے ایک ایڈیٹر کے ابتدائی فرائض سے غفلت کا اظہار کیا ہے۔ یعنی مضمون زیر بحث میں خواہ مخواہ اپنی رائے کو ٹھونسنے سے دریغ نہیں کیا۔

میں اِس امر کو تو فراموش نہیں کرتا کہ ہماری طرف سے بے رحمی اور سنگدلی کے واقعات ایک حد تک باغیوں کی اشتعال انگیز حرکات کا نتیجہ تھے۔ چنانچہ اپنی نسل اور قومیت پر فخر کرنے والے انگریزوں کے لیے صرف یہی ایک وجہ ایسی ہوسکتی ہے جس کی بناء پر وہ دنیا کے سامنے اپنے مذموم افعال کی حمایت میں کسی قدر گنجائش کا سامان دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک معزز ہندستانی مؤرخ کے قول کے مطابق جس کا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا ہے کہ:

''بے کس اور معصوم عورتوں اور بچوں کے سفاکانہ قتل و غارت سے ہندستانی سپاہیوں نے اپنے اعلیٰ مقصد کو ذلیل اور بدنام کردیا''۔

متذکرہ صدر تحریرات سے نمایاں طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہندستانی مظالم کے خلاف قرار واقعی مذمت کا اظہار کیا جاچکا ہے۔ لیکن اس سے بھی کہیں بڑھ کر زیادہ مذمت ہوسکتی تھی۔ بشرطیکہ ہم نے غدر کے حالات کی اشاعت میں دیانت اور انصاف سے کام لیا ہوتا۔ غدر کے ابتدائی قتل وخونریزی کی محرک میرٹھ چھاؤنی کی وہ چھوٹی سی جماعت تھی جو اس سزا سے برافروختہ ہوگئی تھی جو نہایت ہی ذلیل اور منتقمانہ طریق سے روا رکھی گئی تھی۔ نیز اس یقین سے بھی کہ انگریزوں کا مقصد ہمارے تمدن اور مذہب کو نیست و نابود کرنا ہے اُن کے دماغوں پر ایک قسم کے جنون کی کیفیت طاری تھی۔ چنانچہ دہلی میں قتل وغارت کا جو بازار اس کے بعد گرم کیا گیا، اس کی تہ میں بھی اسی مغلوب الغضب جماعت کا ہاتھ ہے۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد متعدد مقامات پر بے چینی بڑھتی گئی اور سپاہیوں نے بغاوت میں شریک ہونا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ اکیس (21) چھاؤنیاں بغاوت

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

کی نظر ہو گئیں اور دونوں طرف سے ایک عالمگیر بے چینی اور قتل و غارت کی کیفیت نمودار ہو گئی۔ لیکن کانپور اور جھانسی کے خونی واقعات اُس وقت رونما ہوئے جب ہم نے نہایت بے رحمانہ طریق سے انتقام لینے کی کارروائی پر سختی سے عمل کیا اور متواتر بیدریغ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اُن کے دیہات اور فصلوں کو جلا کر خاکستر بنا دیا۔ چنانچہ یہ یقینی امر ہے کہ مؤرخین جنرل نیل (Neill) کو کبھی اُن ہولناک مظالم سے بری الذمہ قرار نہیں دیں گے جن کی بنا پر کانپور کا خونی حادثہ رونما ہوا جس کا بدلہ اس نے دل کھول کر سفاکی اور بربریت سے لیا۔

گو ہمارے مؤرخین نہایت وثوق سے یہ لکھتے رہے ہیں کہ غدر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے شروع نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی پھر ہم نے مفروضہ قانون کے مطابق یا اُس سے بھی بالکل بے نیاز ہو کر بیدریغ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا اور دوستوں اور دشمنوں کے دیہات جلانے میں کوئی تمیز روا نہ رکھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ یہی فوجی بغاوت عام ہندستانی آبادی کی ایک وسیع بغاوت ہو جاتی۔ پھر بھی اِن مظالم کے باوجود اگرچہ آکسفورڈ تاریخ ہند کے مصنف کے قول کے مطابق، آگرے کا صوبہ ''ہڑبونگ اور بغاوت کا سمندر'' بن گیا تھا۔ لیکن رسول رعایا نے مجموعی طور پر اپنے جذبات پر پورا قابو رکھا اور قوموں کی باہمی نفرت سے بالکل پاک رہی۔ یقیناً اُن کا یہ طرزِ عمل ہر قسم کی ستائش اور تعریف کا مستحق ہے کہ انھوں نے بہت سے بے پناہ انگریزوں کی حفاظت کی۔ یہاں تک کہ باغیوں یا گورنمنٹ ہند کی طرف سے مختلف قسم کی مالی ترغیب اور لالچ کے باوجود اپنے اِس رویّہ پر ثابت قدم رہی۔

> ''دس دن کے اندر اندر تمام اودھ سے انگریزی حکومت اِس طرح غائب ہوئی کہ ڈھونڈھنے سے بھی اُس کا کہیں سُراغ نہیں ملتا تھا۔ فوجوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے بھی اپنے آپ کو آزاد سمجھ کر ہم سے منھ موڑ لیا۔ لیکن اِس تمام عرصہ میں نہ کوئی منتقمانہ کارروائی عمل میں لائی گئی اور نہ ہی کہیں کسی پر ظلم کیا گیا۔ چنانچہ اودھ کے بہادر اور سرکش باشندوں نے سوائے چند مستثنیات کے عام طور

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

پر پناہ گزیں انگریزوں کو نہایت مہربانی اور شفقت سے اپنے ہاں پناہ دی۔ بالخصوص اودھ کے تعلقہ داروں نے تو نہایت فیاضی اور فراخ حوصلگی سے اپنے مفتوح آقاؤں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر انگریزوں کے ہاتھوں سے اُنھیں متعدد نقصانات اُٹھانے پڑے تھے اور کئی قسم کی ناانصافیوں کے شکار رہ چکے تھے''[1]۔

ہم اِس امر کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ فریقین غلط اور بے بنیاد افواہوں سے برافروختہ ہو کر تقریباً دیوانہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ بہت سے باغیوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ انگریزوں کا منشاء ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہندستان سے نیست و نابود کرنے کا ہے یا یہ کہ ہم جبراً اُن کے مذاہب کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہماری اپنی تواریخ کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک میں ہمارے متعلق ایسے مکروہ اور شیطانی مظالم کے افسانے مشہور ہو گئے تھے۔ جن کا ہم خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے۔ پھر بھی بدقسمتی سے اُن پر یقین کر لیا گیا تھا۔ لوگ عام طور پر ایسی افواہوں پر بہت جلد یقین کر لیا کرتے ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ انھیں ایسے موقع پر انتظار کرنے اور سوچنے کی تربیت دی گئی ہو۔ جوش ایک ایسی آسان شاہراہ ہے جس پر پروپگنڈا کا اثر نہایت تیزی سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جرمن پبلک نے بھی بلجیم کے مفروضہ بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جو ایک حد تک بعد کی ظالمانہ کارروائیوں کے ذمہ دار تھے۔ اسی طرح جنوبی افریقہ کے جنگ کے سلسلے میں یورپ نے بھی ہمارے خلاف نہایت مکروہ زیادتیوں کو درست سمجھا تھا۔ جب کبھی دو فریق میں جنگ ہو جاتی ہے تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خلاف متشددانہ مظالم کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور اس طرح نہایت آسانی سے ایک دوسرے کو ظالم اور مجرم مشہور کرنے کے لیے اعتماد اور یقین کی فضا پیدا کر لی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عام لوگ تو امن کے زمانہ میں بھی متجسس اور رازجو نہیں ہوا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت کی جانچ اور تحقیق کے مواقع بہت ہی کم ہوا کرتے ہیں اور

1- Forest, i, p.227.

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

خود ہماری اپنی رغبت بھی ایسی تحقیق و تفتیش کے لیے نسبتاً کم ہی ہوا کرتی ہے۔

(10)

امرتسر کے واقع میں بھی اسی طرح یورپین قوم کے احساسات کو ٹھیس لگائی گئی۔ جو ایک حد تک حق بجانب بھی تھے۔ مردوں کے بیدردانہ قتل کے علاوہ ایک ایسی انگریز عورت پر بھی حملہ کیا گیا جس نے اپنی زندگی ہندستانی مستورات کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ نیز ایسے اشتہارات چسپاں کیے گئے۔ جن میں انگریز عورتوں کو بے عزت کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ بذاتہ یہ ایک ایسا مکروہ طرزِ عمل تھا جس سے انگریزوں کے غصے کا پارہ کھولاؤ کے درجہ تک پہنچ گیا۔ میرے نزدیک مفسدہ پرداز گروہ یا باغیوں کا جتھا۔ کیونکہ انھیں باغی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس معاملہ میں تو کانپور کے خونی حادثہ سے بھی بڑھ کر ذلیل طرزِ عمل کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ نیز اس مجمع میں تمام تر ذمہ داری اُن مجرمانہ ذہنیت کے انسانوں پر عائد ہوتی ہے جن کی کثیر تعداد اُس وقت موجود تھی۔ لیکن میرا آج بھی یہ خیال ہے کہ اُس وقت کے حساس اور شریف ہندستانیوں نے انگریزوں کے برافروختہ جذبات کا صحیح طور پر اندازہ کرنے میں نمایاں ناکامی کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ہمارے نزدیک ایک مرد کو تکلیف پہنچانے اور اذیت دینے سے طبیعت اس حد تک برافروختہ نہیں ہوتی جتنی کہ اُس وقت بے قابو ہو جاتی ہے۔ جب ہم یہ سنتے ہیں کہ کسی عورت کو بے عزت کیا گیا یا تکلیف دی گئی۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارے یہ جذبات یا احساسات عام اخلاقیات کے ضابطے پر پورے نہ اُتریں یا ممکن ہے کہ جیسا ہمیں آج بھی کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے جذبات کی نمائش محض بناوٹ اور منافقت ہے اور یہ ایک جھوٹا طلسم ہے جو عورت کی عزت کے تحفظ کے نام پر بناوٹی رنگ میں ایک ایسے زمانے میں پیش کیا جاتا ہے جو درحقیقت وحشت اور بربریت کا مظہر ہے۔ اگرچہ دھوکے سے اُسے شجاعت اور بہادری کا زمانہ کہا جاتا ہے لیکن خواہ کتنی بھی کوشش کی جائے آپ ایک یورپین دماغ سے اس عقیدے کو نکالنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جو غلطی سے یا صحیح طور سے اُس نے اپنے اسلاف کی مبہم اور نیم روشن زندگیوں سے ورثہ

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

مظالم کی تصدیق کرنے سے صاف انکار کر دیں اور دنیا میں اپنی مفروضہ قومی عزت کے تحفظ کے لیے ایسے واقعات کی غلط اشاعت سے پرہیز کریں۔ موجودہ زمانہ گنہ گار مرد و زن سے بھرا پڑا ہے جو اپنے لیے نسل اور وطن کے انتخاب میں بے بس ہیں اس لیے زیادہ جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ بُزدلی اور رذالت کے اظہار کی جگہ ہمارے طرزِ عمل میں فیاضی اور دلیری کی نمائش ہو۔ یعنی ہم میں سے ہر برطانی الاصل کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنی تواریخ سے جھوٹ اور غلط بیانی کے تمام عنصر کو ہمیشہ کے لیے بالکل علاحدہ کر دے تا کہ ایک ایسی نئی فضا پیدا ہو جائے جس میں ایک نئے خیال کی دنیا کی نشو و ارتقا ممکن ہو سکے۔

ناظرین میں سے بہت سے اصحاب نے اگرچہ دہشت اور ندامت کے مشترکہ احساس سے میری کتاب کو پڑھا ہوگا۔ لیکن بالآخر انھوں نے ایک قسم کی طمانیت ضرور محسوس کی ہوگی۔ کیونکہ وحشت اور بربریت کا جو خیالی دیو برطانوی قلوب کو آج تک پریشان کیے ہوئے تھا اس کا اثر میری کتاب کے مطالعہ سے جاتا رہا۔ ہم اپنی قوم کی دیوانگی کو تو سمجھ سکتے ہیں۔ جس میں ہمیں اس حد تک حیرت نہیں ہوتی جتنی کہ شرم محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں ہندستانی قوم کی دیوانگی ایسی بعید از قیاس نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ کیونکہ مسلسل مصائب اور تکالیف اُٹھاتے ہوئے اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ اندریں حالات میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ ایسے افراد سے سمجھوتہ بھی ہو سکتا ہے اور دوستی کا پیمان بھی باندھا جا سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک ہندستانیوں کی جدوجہد کے پیچھے اسی مقصد کے حصول کا جذبہ کام کر رہا ہے۔

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

ہندوستان کا شاندار ماضی

مرتب : اے۔ایل۔ہاشم

صفحات : 748

قیمت : -/145 روپے

قدیم ہندوستان کی تاریخ

مرتب : رما شنکر ترپاٹھی

صفحات : 581

قیمت : -/114 روپے

تاریخ تحریکِ آزادیِ ہند (جلد دوم)

مرتب: تاراچند

صفحات: 499

قیمت : -/163 روپے

تاریخ تمدنِ ہند

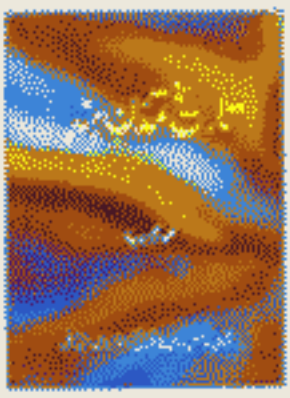

مرتب : محمد مجیب

صفحات : 279

قیمت : -/72 روپے

تحریکِ خلافت

مرتب : قاضی محمد عدیل عباسی

صفحات : 279

قیمت : -/65 روپے

اتحاد سے انتشار کی طرف

مرتب: مشیر الحسن

صفحات: 415

قیمت : -/216 روپے

ISBN : 81-7587-137-7

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110066

Academy of the Punjab in North America: http://www.apnaorg.com